# ادارہ تحقیقاتِ اسلامی تجویز سے تشکیل تک

# (۱۹۴۷-۱۹۵۶ء)

# مجلس دستور ساز پاکستان کے مباحث کا مطالعہ

اکرام الحق یٰسین ۞

## تمہید

علامہ محمد اقبال نے ۱۹۳۲ء میں بڑے شہروں میں مرد و خواتین کے لیے ثقافتی ادارے بنانے کی تجویز دی۔ قیام پاکستان کے بعد ادارہ تحقیقات اسلامی کی تجویز ۲۷/ نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں منعقد ہونے والی آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس میں پیش ہوئی۔ یہی تجاویز دستور سازی کے لیے ہونے والی مباحث کا محرک بنیں۔ ۱۹۴۸ء میں دستور ساز اسمبلی کے رکن جناب نور احمد نے کراچی میں ہونے والے کانفرنس کی سفارشات کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام سے متعلق تجاویز پر حکومت پاکستان سے پیش رفت دریافت کی۔ ۱۹۴۸ء میں قرارداد مقاصد کے منظور ہونے کے بعد پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کے حوالے سے زیادہ بحثیں ہوئیں۔ پاکستان کی اسلامی شناخت اور اسلامی اقدار کی ترویج کے حوالے سے ہونے والی تمام اہم پارلیمانی تقاریر میں ادارہ تحقیقات اسلامی کا ذکر بھی ہوا اور اس کے خدوخال پر گفت گو بھی ہوئی۔ اس ضمن میں ظہیر الدین لال میاں نے خاص طور پر بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح ۱۹۵۶ء کے دستور میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کو باقاعدہ اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کا حصہ بنا دیا گیا۔ ادارے کے قیام کی کہانی پاکستان کی پارلیمانی تاریخ کا نایاب باب ہے۔ اس کی تفصیل اس مقالہ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالے کے لیے زیادہ تر مواد دستور ساز اسمبلی کے مباحث سے لیا گیا ہے جب کہ جس جگہ مناسب ہوا، کتابوں اور مقالات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ تاریخی تحقیق کے اصولوں پر تحریر کیا گیا یہ مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کے پس منظر کو پارلیمانی مباحث کی روشنی میں واضح کرنے کی ایک کوشش ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کے قیام کے بارے میں خطے کے کئی ارباب فکر و دانش کی تجاویز کا حوالہ ملتا ہے، مگر قیام پاکستان کے لیے جس شخصیت کے تصور کو بنیاد بنایا گیا وہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی

---

۞ سیکرٹری، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد۔ (hikramulhaq@yahoo.com)

شخصیت ہے۔ علامہ نے الگ مسلم ریاست یا ریاستوں کے قیام کے تصور کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی بنیادوں پر تشکیل نو کے لیے بھی بہت فکری، سیاسی اور معاشرتی جد و جہد کی۔ یہاں اسلامی معاشرے کی تعمیر نو کے لیے اِدارے قائم کرنے کی تجویز بھی علامہ کے ان افکار میں سے ایک تھی، جنھیں انھوں نے اپنا مشن بنایا اور دامے، درمے، قدمے، سخنے تاحیات ان کے لیے کام کرتے رہے۔ مثال کے طور پر آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۲۱مارچ ۱۹۳۲ء کے لیے اپنے صدارتی خطبہ میں آپؒ نے فرمایا:

Fourthly, I suggest the establishment of male and female cultural institutes in all the big towns of India. These institutes as such should have nothing to do with politics. Their chief function should be to mobilize the dormant energy of the younger generation by giving them a clear grasp of what Islam has already achieved and what it has still to achieve in the religious and cultural history of mankind.(1)

چوتھے نمبر پر، میری تجویز ہے کہ ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں مرد و خواتین کے لیے ثقافتی ادارے قائم کیے جائیں۔ ان اداروں کا سیاست کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ ہو۔ ان کا اہم فریضہ نوجوان نسل کو انسانیت کی مذہبی اور ثقافتی تاریخ کے حوالے سے ان تمام پہلوؤں کا واضح شعور بخش کر ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا ہو جن کا احاطہ اب تک اسلام کر چکا ہے اور جن کا احاطہ ابھی اسے کرنا ہے۔

علامہؒ نے ایسے اداروں کے قیام کی تجاویز پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دوست احباب کے ذریعے اور تحریک پاکستان کی قائد جماعت مسلم لیگ کے ذریعے ایسے ادارے قائم بھی کروائے۔ مثال کے طور پر چوہدری نیاز علی خان صاحب(۲) کا قائم کردہ دار الاسلام، پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور (۱۹۳۶ء)،(۳) مجلسِ نظامِ اِسلامی یو۔پی

---

1- Presidential address delivered at the annual session of the All-India Muslim Conference, Lahore, 21 March 1932.

۲- چوہدری نیاز علی خان (۱۸۸۰-۱۹۷۶ء) سول انجینئر تھے اور وسیع اراضی کے مالک تھے۔ ۱۹۰۰ء میں ہند کی برطانوی حکومت کے ورکس ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کی اور اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ۱۹۳۱ء میں انھیں حکومت ہند نے "خان صاحب" کا لقب اور میڈل دیا۔ علامہؒ کے بہت معتقد تھے اور ان کے کہنے پر انھوں نے تحریکِ دارالاسلام، دارالاسلام ٹرسٹ، ادارہ ہائے دار الاسلام ٹرسٹ کے نام سے پٹھان کوٹ، ہندوستان اور جوہر آباد پاکستان میں کئی ادارے قائم کیے۔ وہ مسلم لیگ کے رکن اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔ ان کے ادارے جدید افکارِ اسلامی کے مراکز شمار ہوتے تھے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ دار الاسلام پٹھان کوٹ کی براہ راست سرپرستی کرتے تھے۔

۳- کے ایم اعظم، **حیاتِ سدید** (لاہور: نشریات، ۲۰۱۰ء)، ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۴؛ محمد ارشد، **اِسلامی ریاست کی تشکیل جدید: محمد اسد: سوانح اور فکری تشکیل** (لاہور: الفیصل ناشرانِ کتب)، ۱۵۰۔

(۱۹۳۹ء) زیر صدارت نواب محمد اسماعیل خان (۱۸۸۶- ۱۹۵۸ء)،[۴] آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں اجلاس منعقد ۲۴- ۲۶/ اپریل ۱۹۴۳ء، بمقام دہلی کی طرف مجلسِ تعمیرِ ملی کے قیام کی قرارداد،[۵] مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی (دسمبر ۱۹۴۳ء) میں ایک پلاننگ کمیٹی کے قیام کی تجویز[۶] وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

قائدین پاکستان کی سنجیدگی ان تمہیدی اقدامات کا نتیجہ تھا کہ قیام پاکستان کے ساتھ متصل ہی قومی سطح پر ایسے اقدامات کی ابتدا ہوگئی، جن کا مقصد پاکستان میں اسلامی معاشرے کی تعمیر نو تھا۔ ان اقدامات میں تعلیم، معیشت اور معاشرت کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لیے قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد اور ان کی سفارشات پر عملی اقدامات، مختلف شعبۂ ہائے زندگی کی اسلامی اصولوں پر تعمیر نو کے لیے کمیٹیوں کا قیام اور ان مقاصد کے لیے اداروں اور کمیشنوں کا قیام نمایاں ہے۔

## ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے پہلی قرارداد ۱۹۴۷ء

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کے لیے پہلی مرتبہ تجویز کا ذکر "آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی" منعقدہ ۲۷ نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کی سفارشات میں ملتا ہے۔ کانفرنس کی سفارشات علم وآگہی کے حوالے سے ہمہ جہت پروگرام شروع کرنے اور ادارے قائم کرنے کی تجاویز پر مشتمل تھیں، جن کا بنیادی مقصد تعلیمی نظام کی اسلامی نظریے کی بنیاد پر تعمیر نو تھا۔ انھی سفارشات میں دو قرار دادیں ایسی بھی شامل تھیں جو قومی سطح پر علاحدہ علاحدہ دو ادارے قائم کرنے سے متعلق تھیں۔ ۸/ مارچ ۱۹۴۸ء کو دستور ساز اسمبلی کی سوال وجواب کی نشست میں معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد نے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی سفارشات پر عمل در آمد کے بارے میں عزت مآب جناب وزیر داخلہ سے حکومتی اقدامات کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے عمومی سفارشات پر عمل در آمد کی بات کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیے متخصص تعلیمی ادارے قائم کرنے کے بارے میں دَس سفارشات کا نام بھی لیا، تو عزت مآب جناب فضل الرحمن صاحب وزیر داخلہ نے بتایا کہ پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی جن سفارشات کا براہ راست حکومت پاکستان سے تعلق تھا ان کے بارے میں حکومت نے جان دار اقدامات

---

۴- عبدالماجد دریا آبادی، "پیش لفظ"، مشمولہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی، **اسلام کا سیاسی نظام**، ا؛ سید سلیمان ندوی، "شذرات"، معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۴۱ء و مئی ۱۹۴۱، بحوالہ اختر سفیر، سید مودودی اور ماہنامہ "معارف"، ۷۴- ۷۵؛ دریا آبادی، **سید سلیمان ندوی کے خطوط**، حصہ دوم، ۸۸۔

۵ - سید طفیل احمد منگلوری، **مسلمانوں کا روشن مستقبل** (لاہور: مکتبۂ محمودیہ، ۲۰۰۱ء)، ۳۶۶- ۳۶۷۔

۶- سید حسین ریاض، **پاکستان ناگزیر تھا** (کراچی: شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۸۴ء)، ۳۲۹۔

اٹھائے ہیں اور جن سفارشات کا تعلق صوبوں سے تھا ان کے بارے میں صوبوں کو بتا دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ تاکید کی گئی ہے کہ حکومت پاکستان کو اپنے اقدامات سے باخبر رکھیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کی تیاری کے لیے میری سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اور اس کمیٹی نے غور و خوض کر کے اس کے لیے ایک مکمل لائحۂ عمل تیار کر لیا ہے جس پر ایجوکیشن ڈویژن کے ذریعے حکومت پاکستان خصوصی توجہ دے رہی ہے۔[۷] ان مباحث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے ابتدائی زمانے میں تعلیم کے لیے مستقل وزارت کوئی نہیں تھی بلکہ "قسمت تعلیم" (Education Division) وزارتِ داخلہ کے ماتحت تھی۔

## ادارے کا نام

مذکورہ دس سفارشات میں پانچویں سفارش کے طور پر معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد نے کونسل آف اسلامک سٹڈیز (Council of Islamic Studies) اور پاکستان اکیڈمی (Pakistan Academy) کے قیام سے متعلق سفارش کا ذکر کیا۔ جناب وزیر داخلہ نے ہر سفارش کے بارے میں الگ الگ بتایا۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے بارے میں انھوں نے بتایا کہ پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے دو الگ الگ قراردادیں پاس کی تھیں؛ ایک قرارداد "ایک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" قائم کرنے کے لیے تھی اور دوسری "ایک پاکستان اکیڈمی" قائم کرنے کے لیے۔[۸] یوں اس وقت تک ادارے کے نام کا تعین نہیں ہوا تھا، بلکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ "اسلام کے مطالعہ" کا کوئی ادارہ قائم کرنا مقصود تھا خواہ اس کا نام ادارہ ہو یا کونسل ہو یا کچھ بھی ہو، جب کہ جناب وزیر داخلہ کے جواب میں اسی کو "ایک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کہا گیا ہے، یہاں بھی لفظ "ایک" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک مقصد کا تعین تھا نام کا تعین نہیں تھا، مگر بعد میں جب بھی اس ادارے کے قیام کا ذکر ہوا اسے "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" (Islamic Research Institute) کہا جاتا رہا۔ اس کے قیام سے قبل اس کے ساتھ عموماً لفظ "ایک" کا اضافہ چلتا رہا اور اس کے قیام کے مختلف ادوار میں پہلے اس کا انگریزی نام Nucleus Islamic Research Institute جس کا اردو ترجمہ (مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی) کیا گیا، پھر Central Islamic Research and Instruction Institute اور اس کا اردو ترجمہ بھی (مرکزی ادارہ تحقیق و تدریسِ

---

7- Constituent Assembly; Legislature, starred questions and answers, Monday, 8 March 1948, 315.

8- Constituent Assembly; Legislature, starred questions and answers, Monday, 8 March 1948, 315- 316

اسلامی) کیا گیا۔ اور تیسرے مرحلے میں یہ Islamic Research Institute (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی) ہوا اور یہی نام آج تک قائم ہے۔ اس مضمون میں ادارے کے قیام کی قرار داد سے لے کر اس کی تشکیل اول ۱۹۵۴ء تک مجلس دستور ساز میں اس کے تذکرے، اس کے حق میں اور اس کے مخالف تقاریر اور وقتاً فوقتاً اس کے اہداف ومقاصد پر بحث کا مطالعہ کیا جائے گا۔ اس مضمون کا اختتام اس کی تشکیل اور ہیئت ترکیبی اور کچھ ابتدائی کارکردگی پر ان شاء اللہ ہو گا۔

## اداہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کا مقصد اول

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی تشکیل اول کا مقصد پاکستان کے تعلیمی نظام کی اسلامی نظریے کی بنیاد پر تشکیل نو کرنے میں تحقیق اور آگاہی سے متعلقہ معاونت فراہم کرنا تھا۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کراچی، از ۲۷ نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۴۷ء نے جو قراردادیں پاس کیں ان میں سے قرارداد نمبر ۷ یہ تھی:

> Pakistan Educational Conference held at Karachi from the 27th November to the 1st December 1947.
>
> Resolution: No.7.
>
> *ldeological Basis of Education.-Resolved* that the educational system in Pakistan should be inspired by Islamic ideology emphasising among many of its characteristics those of universal brotherhood, tolerance and Justice. (9)

پاکستان میں نظام تعلیم کی نظریاتی بنیاد: یہ قرار داد پاس کی کہ پاکستان میں تعلیمی نظام کا بنیادی محرک اسلامی نظریہ ہونا چاہیے، جس میں اس کے دیگر مظاہر کے ساتھ ساتھ عالمی بھائی چارے، برداشت اور عدل کا جذبہ نمایاں ہو۔ اس قرار داد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کابینہ کو جو نوٹ لکھا گیا اس کا مرکزی مضمون اس پیراگراف میں مذکور ہے:

> کانفرنس اس نظریے کی مکمل تائید کرتے ہوئے جس کے لیے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ وہ محسوس کرتی ہے کہ پاکستان میں تعلیمی نظام میں ایسے اصول مجسم ہونے چاہییں اور اس پر ان اصولوں کا واضح پرتو ہونا چاہیے جو اسلام نے تشکیل دیے ہیں اور ان کی صورت گری بھی اسی نے کی ہے۔ اسلام محض عقائد اور عبادات کا ایک مجموعہ ہونے سے بہت مختلف،

---

9- Constituent Assembly; Legislature, Unstarred questions and answers, Wednesday, 28 December 1949, 116-117.

زندگی کا ایک مثبت فلسفہ ہے جو انسانی حیات کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔اس بنا پر لازم ہے کہ انسانی زندگی کی تعلیمی نظام جیسی انتہائی بنیادی سرگرمی، اسلامی روح سے ہی تحریک حاصل کرے۔ سارجنٹ منصوبے (Sargent Plan)[۱۰] کی بنیادی کمزوری ہی یہ تھی کہ اس نے تعلیم کے روحانی پہلو کو نظر انداز کر دیا، جب کہ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ تعلیم کا بنیادی مقصد ہی لوگوں کی کردار سازی اور ان کی روحانی اور مادی ضروریات کو تقویت فراہم کرنا ہے۔[۱۱]

# ۲- ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کے حوالے سے دستور ساز اسمبلی کے مباحث

## ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام میں تاخیر اور اسمبلی میں اس پر بحث

۲۷/ نومبر ۱۹۴۷ء کو مرکزی حکومت کی طرف سے دارالحکومت کراچی میں منعقد ہونے والی ''آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس'' کی سفارشات پر عمل کرنے میں جب تاخیر ہوئی تو اس سلسلے میں لوگوں میں بے چینی پیدا ہوئی جس کا اظہار دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ پاکستان مجلس دستور ساز میں بھی ہوا، چناں چہ دستور ساز اسمبلی کی رودادوں کے ریکارڈ کے مطابق کانفرنس کے انعقاد کے تین ماہ بعد مجلس دستور ساز پاکستان کے اجلاس ۸/ مارچ ۱۹۴۸ء میں معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد کی طرف سے اس پر عمل درآمد کے بارے میں سوال کیا گیا، جس کے جواب میں وزیر داخلہ جناب فضل الرحمن نے بتایا کہ ''ایجوکیشن ڈویژن'' نے اس کے قیام کی سکیم تیار کر لی ہے اور اس پر بھرپور توجہ دی جا رہی ہے۔[۱۲] ۸/ مئی ۱۹۴۸ء کو معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد نے Establishment of Islamic Research Institute and Pakistan Academy کے عنوان سے خصوصی طور پر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اور پاکستان اکیڈمی کے قیام کا مسئلہ اٹھایا اور جناب وزیر داخلہ سے سوال کیا کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اور پاکستان اکیڈمی کے قیام کے لیے بنائی گئی سکیم اب فعال ہو گئی ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کس تاریخ سے

---

۱۰- سارجنٹ سکیم در اصل ہندوستان میں مابعد جنگ تعلیمی نشو ونما کے بارے میں سارجنٹ کمیشن کی رپورٹ تھی۔ یہ رپورٹ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے حکم پر تیار کی گئی تھی اور اس کا بنیادی مقصد ہندوستان میں تعلیمی تشکیل نو تھا۔ اس رپورٹ میں ہندوستان کے ایسے تمام بچوں کے لیے مفت لازمی تعلیم متعارف کروانے کی سفارش کی گئی تھی جن کی عمریں ۶ سے ۱۱ سال کے درمیان ہوں اور ہدف یہ تھا کہ آئندہ چالیس سالوں میں یعنی ۱۹۸۴ء تک ہندوستان کی تعلیمی شرح بین الاقوامی شرح کے مطابق ہو جائے۔ اس سکیم کے مطابق درج ذیل اقدامات تجویز کیے گئے تھے: (۱)۔ ایلیمنٹری سکول اور ہائی سکول قائم کرنا۔ (۲)۔ ہائی سکول دو طرح کے ہوں؛ تعلیمی اور فنی و پیشہ ورانہ۔ (۳)۔ انٹر میڈیٹ کورس ختم کرنا۔ اس سکیم کو عملی جامہ پہنا دیا گیا تھا۔

11- Constituent Assembly; Legislature, Unstarred questions and answers, Wednesday, 28 December 1949, 116-117.

12- Constituent Assembly; Legislature, Monday, the 8 March 1948, 315- 316.

یہ دونوں ادارے قائم کیے جائیں گے؟ اس کے جواب میں جناب فضل الرحمن وزیر داخلہ نے بتایا کہ ان دونوں اداروں کے قیام کی سکیم تیار کرلی گئی ہے مگر میں تعین کے ساتھ نہیں بتا سکتا کہ ان کا قیام کب عمل میں آسکے گا۔[۱۳]

## قراردادِ مقاصد کی آمد، مجلس دستور ساز کی مصروفیات اور ارکان کی بے چینی

تعلیم کی اسلامی نظریاتی بنیادوں پر تشکیل اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کی بحث مجلس دستور ساز کے بحیثیت مقننہ فرائض منصبی کے ضمن میں چل رہی تھی اور اس پر عمل در آمد کے سوال وجواب حکومت یعنی متعلقہ وزارتوں سے ہو رہے تھے کہ اسی دوران ۷/مارچ ۱۹۴۹ء کو قرار دادِ مقاصد پیش ہوئی اور پانچ دِن کی بحث کے بعد ۱۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو پاس ہوگئی۔ اب دستور سازی کا عمل بھی باقاعدہ شروع ہوگیا اور ریاست کے واحد ایوان کے دونوں پہلو۔ دستور ساز و قانون ساز۔ فعال ہوگئے۔ ایسے میں ظاہر ہے کہ مقننہ کے پہلے سے شروع پروگراموں پر کچھ تو اثر پڑنا تھا۔ قرار دادِ مقاصد پاس ہوتے ہی ۱۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم کر دی گئی[۱۴] جس کے ذمے لگایا گیا کہ قرار دادِ مقاصد کی روشنی میں دستور پاکستان کے بنیادی اصول طے کرکے دے۔ اس کمیٹی نے مختلف ذیلی کمیٹیاں قائم کردیں اور ایک بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ بھی قائم کردیا[۱۵] کہ قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کا تعین کرتا رہے اور اس طرح دستور سازی کا عمل جاری وساری رہا۔ جیسا کہ ۸/مئی ۱۹۴۸ء کی بحث کے حوالے سے ذکر ہوا، ایجوکیشن ڈویژن میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اور پاکستان اکیڈمی کی سکیمیں مکمل تیار ہوچکی تھیں، مگر معلوم ہوتا ہے اس دوران میں دستوری مصروفیت اور دیگر انتظامی مصروفیات کی وجہ سے اس کی کوئی عملی شکل سامنے نہ آسکی، جس سے لوگوں کی بے چینی بڑھ گئی۔ ۲۸/دسمبر ۱۹۴۹ء کو مجلس دستور ساز کا بحیثیت مقننہ اجلاس ہوا تو Overhauling and Reorganisation of the Educational System in Pakistan (پاکستان میں تعلیمی نظام کی صفائی ستھرائی اور تشکیل نو) کے بارے میں پھر سوال وجواب ہوئے جن کے ضمن میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا قیام بھی شامل تھا۔[۱۶] سوال وجواب کا ترجمہ درجِ ذیل ہے:

---

13- Constituent Assembly; Legislature, Tuesday, the 18 May 1948, 656.

14- Constituent Assembly of Pakistan debates, Official Report, 5: 101.

۱۵- **کارروائی مجلس دستور ساز پاکستان**، جلد ۸، شمارہ: ۱، ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء، ۱۳۔

۱۶- یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کے اس سوال وجواب کے وقت "ایجوکیشن ڈویژن" وزارت تجارت کا حصہ بن چکا تھا، جب کہ اس سے قبل وزارت داخلہ کے ماتحت آتا تھا، یہی وجہ ہے کہ سوالات میں وزیر تجارت و تعلیم کو مخاطب کیا گیا ہے اور کابینہ کو جو نوٹ بھیجا گیا اس میں وزارت داخلہ کا ذکر ہے، یعنی نوٹ بھیجنے کا زمانہ پہلے ہے اور یہاں معزز رکن اسمبلی کے سوال کے جواب میں اسے ثبوت اور آگاہی کے لیے پیش کیا گیا ہے، واللہ اعلم۔

معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد: کیا عزت مآب وزیر تجارت و تعلیم یہ بیان کرنا پسند فرمائیں گے کہ (ا) پاکستان میں نظامِ تعلیم کی صفائی ستھرائی، اس کی تشکیل نو اور اس کی بنیاد اسلامی تہذیب وثقافت پر رکھنے کے بارے میں جو اقدامات اٹھائے گئے ہیں، وہ کیا ہیں؟؛ اور (ب) اگر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا تو اس کی وجہ کیا ہے؟۔۔۔عزت مآب جناب فضل الرحمن (ا) پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی پاس کردہ قرارداد اور اس بارے میں حکومت کا فیصلہ (نسخے منسلک ہیں) صوبائی حکومتوں کے لیے سرکولیٹ کردیے گئے ہیں۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں سبھی؛ اپنے نصابی مواد، نصابی خاکوں اور نصابی کتب وغیرہ پر قرار داد کی روشنی میں نظر ثانی کرنے کے لیے سرگرمی سے کام کررہے ہیں۔(ب) یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (۱۷)

## ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کا قیام اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام میں مزید تاخیر

اس قرار داد کے تحت ادارہ تحقیقاتِ اسلامی تو قائم نہ ہوسکا، البتہ معروف محقق اور ماہر اقبالیات ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی سربراہی میں ۱۹۵۰ء میں لاہور میں "ادارہ ثقافتِ اسلامیہ" قائم کردیا گیا۔ یہ ادارہ گورنر جنرل پاکستان ملک غلام محمد کی مدد سے قائم کیا گیا۔اس سے منسلک محققین زیادہ تر وہی حضرات تھے جو علامہ اسد کی سربراہی میں ادارہ "احیائے ملت اسلامیہ" سے منسلک رہے۔ چناں چہ ۱۵جون ۱۹۵۱ء کو مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری اس سے منسلک ہوئے۔رشید اختر ندوی ( ۱۹۱۳ء- ۱۹۹۲ء) اس میں کام کرتے رہے، وہی مئی ۱۹۵۱ء میں مولانا حنیف ندوی (۱۰جون ۱۹۰۸ء- ۱۲/ جولائی ۱۹۸۷ء) کو اس ادارے میں لانے کا ذریعہ بنے۔وہ تاحیات ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستہ رہے اور قرآن وحدیث اور فلسفۂ اسلامی پر گراں قدر کتابیں لکھیں۔مظہر الدین صدیقی (ولادت:۱۹۱۴ء) اس سے وابستہ رہ کر تصنیف وتالیف کا کام کرتے رہے۔

مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ نے "ادارہ ثقافتِ اسلامیہ" کے بارے میں ایک قرارداد کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ۹/ اپریل ۱۹۵۲ء کو اس ادارے کے قیام کو حکومت کی کاوش قرار دیا، وہ کہتے ہیں:"اس سلسلے میں تحقیقاتی کام کی ایک انتہائی عاجزانہ اور چھوٹی سی ابتدا "ادارہ ثقافتِ اسلامیہ" کی بنیاد رکھ کر کردی گئی ہے۔اس ادارے کا مقصد اسلام کا ایک وسیع، ترقی پسند اور منطقی منظر پیش کرنا ہے، جس سے موجودہ مسائل کے بارے میں اس کے رویے کی وضاحت ہوسکے اور یہ دکھایا جاسکے کہ ہماری سیاسی، معاشی اور سماجی بساط کی تشکیل نو معاشرے کی مادی خوش حالی اور اس کی فنی استعداد کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر اس کے روحانی اصولوں کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ (۱۸)

---

17- Constituent Assembly; Legislature, Unstarred questions and answers, Wednesday, 28 December 1949, 116-117

18- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 1313.

## بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ میں نظریاتی اجمال اور لوگوں کی بے چینی

اس کے بعد مجلس دستور ساز کا بحیثیت دستور یہ ۲۸/ ستمبر ۱۹۵۰ء کو اجلاس ہوا تو اس میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ پیش کی گئی۔ یہ ایک عبوری اور مختصر رپورٹ تھی، شاید اسی لیے اس میں کسی متعین ادارے کا ذکر کرنے کے بجائے اس کے جزء اول میں قرار داد مقاصد کو ریاست کے لیے راہ نما اصول قرار دینے پر اکتفا کیا گیا اور ساتھ ہی یہ کہا گیا کہ حکومتی سرگرمیوں کے متعدد پہلوؤں کے حوالے سے ایسے اقدامات کیے جائیں کہ مسلمان اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق ڈھال سکیں، جیسا کہ یہ بات قرار دادِ مقاصد میں قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح کہا گیا کہ وقف اور مساجد کو مناسب طریقے سے چلانے کا نظام تشکیل دیا جائے۔[۱۹]

مگر معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس اجمالی تذکرے سے مطمئن نہیں ہوئے۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پر پہلے دِن سے اعتراضات شروع ہوگئے، یہاں تک کہ اسے عوامی رائے معلوم کرنے کے لیے اخبارات میں شائع کر دیا گیا[۲۰] اور اس طرح دستور سازی کے عمل میں تاخیر کا شبہ ہونے لگا۔

## ۳- ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام سے متعلق دستور ساز اسمبلی کی قراردادیں

### ظہیر الدین (لال میا) کی احتجاجی تقریر اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کرنے کا مطالبہ ۱۹۵۱ء

۲۴/ مارچ ۱۹۵۱ء کو مجلس دستور ساز پاکستان کا بطور مقننہ اجلاس ہوا تو اس میں مشرقی بنگال کے معزز رکن اسمبلی ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا)[۲۱] نے عمومی بجٹ پر عمومی بحث کے موقع پر تقریر کرتے

---

۱۹- کارروائی مجلس دستور ساز پاکستان، جلد ۸، شمارہ: ۸، ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء، ص ۱۶۔

20- Constituent Assembly, Tuesday, 21 November 1950, 181،

۲۱- چوہدری عبداللہ ظہیر الدین معظم حسین المعروف لال میا (۱۹۰۳ - ۱۹۶۷ء) ایک ممتاز بنگالی سیاست دان تھے جو پہلے انڈین نیشنل کانگریس کے سرگرم رکن رہے اور بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی، برطانوی ہند میں تحریک خلافت میں حصہ لیا اور جیل کاٹی۔ وہ ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور پاکستان بننے کے بعد ۱۹۶۵ء میں صحت، محنت اور سماجی بہبود کے وزیر بھی رہے۔
https://en.wikipedia.org/wiki/Chowdhury_Abd-Allah_Zaheeruddin_(Lal_Mia)

ہوئے نوزائیدہ مملکت پاکستان کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر کے بارے میں طویل تقریر کی ، اپنے اندر کچھ روحانی تبدیلیوں کے بارے میں بات کرنے کے بعد نظریاتی گفت گو کا آغاز ان الفاظ سے کیا: ”اس بات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے کہ اس بجٹ میں اس مقصود کی ترویج وترقی کے لیے کوئی رقم نہیں رکھی گئی جو اس ملک کی اصل بنیاد بنا-یعنی اسلامی نظریے کا مقصود“؛ اسی ضمن میں انھوں نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

> Have we done anything to establish any Islamic Research Institute wherein some work would be done to interpret in our modern conditions the requirements of Islam in the various phases of our lives. Here again the answer is in the negative.[22]

کیا ہم نے کوئی ادارہ برائے تحقیق اسلامی قائم کرنے کے لیے کچھ بھی کیا ہے، جہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے حوالے سے جدید حالات میں اسلام کے تقاضوں کا تعین کرنے کے لیے تعبیر وتشریح کا کوئی کام کیا جاسکے۔ یہاں ایک بار پھر جواب نفی میں ہے۔

ان کی تقریر کا آخری حصہ ان کے مطالبات اور تجاویز پر مشتمل ہے جن میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کی ایک بار پھر تجویز دی گئی ہے۔ ابھی تک ادارے کا مقصد تعلیم کی تشکیل نو میں معاونت اور اسلام کے بارے میں عمومی آگہی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اس مرتبہ قرآنِ مجید کے تراجم کو تجویز میں شامل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات مجلس دستور ساز کے بحیثیت دستوریہ اور بحیثیت مقننہ دونوں میں پیش کی جانے والی تجاویز کو باہم مربوط رکھنے کے خواہش مند تھے۔ اس تجویز کو اس کے سیاق وسباق میں سمجھنے کے لیے تقریر کے اس حصے کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> اس لیے میری اس ایوان سے التجا ہے کہ اپنی ذمے داریوں کے بارے میں سنجیدہ ہو جائے اور ایسی حکمت عملی تشکیل دے جو حقیقت میں ہماری ضروریات سے مطابقت رکھتی ہو۔ میری تجویز ہے کہ درج ذیل امور کی انجام دہی کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں:
>
> (أ) مختلف صوبوں اور مرکزی علاقے میں اسلامی بنیادوں پر مثالی تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لیے۔
>
> (ب) پاکستان کی تمام زبانوں میں ترجمہ شدہ قرآنِ مجید کے نسخے کم نرخ پر مہیا کرنے کے لیے۔ اس کے لیے بجٹ میں کم از کم پانچ لاکھ روپے مختص کیے جانے چاہئیں۔
>
> (ج) قرآنِ مجید کی زبان کی ترویج وترقی کے لیے۔ اس کے لیے بھی مبلغ پانچ لاکھ روپے مختص کیے جائیں۔
>
> (د) ایک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کرنے کے لیے، جو کہ علم کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلام کی روشنی میں تحقیقی کام کرتا رہا کرے۔

---

22- Constituent Assembly; Legislature, General Budget- General discussion, Monday, the 24 March 1951, 260

فحش اور غیر اخلاقی تحریری مواد اور کھلونوں کی در آمد بند کر دینی چاہیے اور جس قدر جلد ممکن ہو اس پر پابندی کا اطلاق کر دینا چاہیے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ ایک اسلامی ریاست چلانے کے لیے، یہ بات از بس ضروری ہے کہ جو لوگ اس کے مدار المہام (کلیدی منتظمین) ہیں وہ اسلامی کردار کے حامل ہوں اور یہ بھی بہت ضروری ہے کہ نئے تقرّر کرتے وقت، عہدوں اور مناصب کی مناسبت سے اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق۔ امیدواروں کے کردار کو۔ اہمیت دی جائے اور تقرر کرنے پر مامور افسران مجاز کو اس کے مطابق ہدایات دی جائیں۔ اسی طرح ترقی دیتے وقت بھی، تقدم ملازمت، استعداد وغیرہ کے ساتھ ساتھ، جن امور کو خاص اہمیت دی جانی چاہیے، ان میں سے ایک اس بات کا لحاظ رکھنا ہو کہ متعلقہ افسر یا ملازم اسلام کے اصولوں سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے اور اپنی زندگی میں ان کی کس حد تک پابندی کرتا ہے۔ یہاں اگر میں یہ ذکر کروں تو بے محل نہ ہوگا کہ تبلیغ کا بہترین طریقہ عمل کے ذریعے تبلیغ ہے۔ جناب عالی! اس لیے یہ انتہائی لازم ہے کہ ہمارے قائدین اسلام کے اصولوں کی پابندی کرنا اپنے اوپر لازم کر لیں اور اگر وہ واقعتاً پاکستان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزاریں۔

میں ایک بار پھر اس ایوان سے گزارش کرتا ہوں کہ اس بات پر سنجیدگی سے غور فرمائے کہ ہم اسلام کے ساتھ آنکھ مچولی نہیں کھیل سکتے۔ ہم اسلام کے مرہونِ منت ہیں اور ہمیں ہمیشہ کے لیے اپنے ذہن کو اس بات کے لیے تیار کر لینا چاہیے کہ اسلام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کے لیے پورے جذبے کے ساتھ کام کریں گے۔

میں خصوصیت کے ساتھ اپنے وزرا سے درخواست کروں گا اور خاص الخاص طور پر اپنے وزیر اعظم سے جنھوں نے قرار دادِ مقاصد پیش کرنے کا اعزاز حاصل کیا اور اپنی قیادت میں ہمارے ملک کو مشکل حالات اور شورش سے نکالا، وہ اس عظیم ذمے داری پر غور کریں جو ان کے کندھوں پر آتی ہے کہ وہ اس ملک کی تقدیر کو اسلام کے تقاضوں کے مطابق تشکیل دیں۔ میں دعا کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ وہ اس موقع پر اٹھ کھڑے ہوں گے اپنے عمل سے لوگوں کو اس بات پر مطمئن کر دیں گے کہ انھوں نے واقعی اسلام اور پاکستان کی عظمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور ہمارے تمام سرگرمیوں میں ہماری رہ نمائی فرمائے۔ [۲۳]

**وزیر تجارت و تعلیم جناب فضل الرحمن نے جناب لال میاں کی تقریر کے جواب میں کچھ اقدامات کا ذکر کیا جو تعلیمی نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اٹھائے گئے۔ ان اقدامات کا خلاصہ انھوں نے یوں بیان کیا:**

> All the Provincial Governments and the central Government are opening more and more training schools and training centres, in the curriculum of which the Islamic ideology and the centre of Islamic ideology have been provided for.[24]

---

23- Constituent Assembly; Legislature, General Budget- General discussion, Saturday, the 24 March 1951, 261

24- Constituent Assembly; Legislature, General Budget- General discussion, Saturday, the 24 March 1951, 265

تمام صوبائی اور مرکزی حکومتیں زیادہ سے زیادہ تربیتی سکول اور تربیتی مراکز کھول رہی ہیں، جن کے نصاب میں اسلامی نظریے اور اسلامی نظریے کے مرکز کو جگہ دی گئی ہے۔

## ظہیر الدین (لال میا) کی طرف سے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم نہ کرنے پر دوبارہ احتجاج ۱۹۵۲ء

اس مطالبے کے ایک سال بعد ۱۹/ مارچ ۱۹۵۲ء کو اسمبلی کی مقننہ کے اجلاس میں عمومی بجٹ پر عمومی بحث شروع ہوئی تو چوہدری ظہیر الدین لال میا نے پھر اس مسئلے کو اٹھایا اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کرنے کی تجویز دی۔ اس تجویز کے ساتھ انھوں نے اس کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اور اسے قائم نہ کرنے کی وجہ سے جو نقصان ہو رہا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

اور پھر، جناب عالی! گذشتہ پانچ سال کے عرصے میں ہم نے بہت سے فنی اور تحقیقی ادارے قائم کیے ہیں، جیسے کہ "ملیریا انسٹی ٹیوٹ"، "جوٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ"، "کاٹن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ"، "پاکستان انٹرنیشنل افیئرز انسٹی ٹیوٹ" وغیرہ۔ اسی طرح اگلے سال کے بجٹ میں ایک "پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ" قائم کرنے کی تجویز بھی آچکی ہے۔ یہ سب ادارے مادی پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں، مگر بدقسمتی سے ابھی تک کوئی، "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" شروع کرنے کے لیے، کچھ نہیں کیا جا سکا، جس کی اہمیت اور فوری ضرورت انتہائی توجہ چاہتی ہے۔ موجودہ وقت اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ آج ہی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کو اپنے پروگراموں میں سر فہرست رکھا جائے۔ جناب! ہماری اسلام سے عدم واقفیت بھی در اصل اسلامی طرز حیات سے ہماری دوری کا سبب ہے۔ ہم نے اسلام کی متحرک قوت کے بارے میں اپنے آپ پر شکست خوردگی کا تو ہم طاری کر لیا ہے۔ ہم یہ بھول چکے ہیں کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں، بلکہ وہ ایک ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا حل قرآن و حدیث نے پیش نہ کیا ہو۔ اس لیے دینی تحقیقی کام اور ان تمام دینی کتب کے تمام صوبائی زبانوں میں تراجم کروانے کے لیے مناسب انتظامات کیے جانے چاہییں اور مجھے امید ہے کہ ہمارے صالح اور صاحب تقویٰ عزت مآب وزیر اعظم اس معاملے کو اس کی انتہائی اہم حیثیت کے شایان شان طریقے سے شروع کریں گے، ورنہ ہماری ریاست صرف قرار دادِ مقاصد کی حد تک ایک اسلامی ریاست رہ جائے گی۔ اس بنا پر میری تجویز ہے کہ آئندہ سال کے زائد بجٹ میں سے مناسب رقم کراچی میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کے لیے مہیا کی جائے۔

اس سلسلے میں چند الفاظ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا زیادہ تر ریاستی سطح پر اسلامی طرز زندگی اور سلوک و کردار کے بارے میں کم علمی ہی کی وجہ سے ہے کہ اقلیتیں اسلامی ریاست کے قیام کے تصور سے خوف زدہ ہیں۔ اگر ہم ٹھیک طرح سے ان کے سامنے اسلام کے حقیقی معنی اور اصولوں کی وضاحت کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ ان کا تخیلاتی خوف خود بخود فوراً ختم

ہو جائے گا۔ ہمیں ان کے سامنے لازمی طور پر اس بات کی وضاحت بھی کرنی چاہیے اور انھیں اس بارے میں مطمئن بھی کرنا چاہیے کہ ایک "مسلم ریاست" اور ایک "اسلامی ریاست" میں کیا فرق ہوتا ہے۔[۲۵]

## ظہیر الدین (لال میا) کی طرف سے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کرنے کے لیے نئی قرار داد ۱۹۵۲ء

معزز رکن اسمبلی جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) کی اس تقریر پر مشکل سے ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ ۹/ اپریل ۱۹۵۲ء کو مقننہ کا جو اجلاس ہوا، اس میں مغربی پنجاب سے معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد نے وزیر تجارت و تعلیم سے قرار دادِ مقاصد کے مطابق نظام تعلیم کی تشکیل نو کے بارے میں سوال کیا، جس کا جواب جناب فضل الرحمن صاحب وزیر تجارت و تعلیم نے ۱۹۴۷ء میں ہونے والی آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اور قرار داد مقاصد کی روشنی میں نظام تعلیم کی اسلامی نظریے کی اساس پر تشکیل نو کی کچھ کار گزاری سنائی، مگر اس میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا کوئی ذکر نہ کیا۔[۲۶]

اسی اجلاس میں آگے چل کر ظہیر الدین لال میا صاحب نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کے لیے ایک تازہ قرار داد پیش کر دی، جو طویل بحث کے بعد منظور ہوئی۔ ادارہ اگرچہ پھر بھی دو سال بعد قائم ہوا، مگر اس قرار داد اور جناب لال میا کی طرف سے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا پیچھا کرنے کا ادارے کے قیام میں بڑا دخل ہے ، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرار داد اور اس سے متعلقہ بحث کا یہاں ترجمہ نقل کر دیا جائے تاکہ پاکستان کے ابتدائی سالوں میں لوگوں کی نظریاتی سنجیدگی کا بھی اندازہ ہو سکے اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی اہمیت بھی واضح ہو۔ پوری بحث کا ترجمہ درجِ ذیل ہے:

## قرار داد تحقیقاتِ اسلامی کے ایک ادارے کا قیام

جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا)۔ (مشرقی بنگال: مسلم):

أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ۔

میں شیطان مردود کے خلاف اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

---

25- Constituent Assembly; Legislature, Monday, the 19 March 1952, 252.

26- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 1228- 1229.

**جنابِ صدر۔** جناب، میں درجِ ذیل تحریک پیش کرنے کی درخواست کرتا ہوں:

That this Assembly is of opinion that a Central Institute to be named as the Institute of Islamic Research be set up forthwith in the Federal Area of Karachi with various branches and departments where researches can be carried out from the Islamic viewpoint in the various fields of· human knowledge and activity; social, economic, historical, educational, cultural constitutional juristic etc.' and high class literature on various subjects related to arid having bearing on Islam· be produced. . .

یہ کہ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ایک مرکزی ادارہ جس کا نام "ادارہ برائے تحقیقات اسلامی" ہو، کراچی کے وفاقی علاقے میں قائم کیا جائے جس کی مختلف ذیلی شاخیں اور شعبے ہوں جہاں انسانی علم و عمل کے مختلف شعبوں میں اسلام کے نقطۂ نظر سے تحقیقات کی جائیں؛ سماجی، معاشی، تاریخی، تعلیمی، ثقافتی، دستوری، عدالتی وغیرہ۔ اسی طرح اسلام کے بارے میں مختلف موضوعات اور اسلامی مواد پر مشتمل موضوعات پر اعلیٰ درجے کا لٹریچر وہاں سے جاری کیا جائے۔[۲۷]

## قرارداد کی اہمیت پر معزز رکن ظہیر الدین چوہدری لال میاں کی تقریر

جنابِ عالی! ہم نے قراردادِ مقاصد پاس کی ہے اور ہم نے صحافت اور سٹیج دونوں کے ذریعے بے شمار بار پاکستان کو ایک اسلامی ریاست قرار دیا ہے اور ہم نے کہا ہے کہ ہم پاکستان کے لیے ایک اسلامی دستور اختیار کرنے جا رہے ہیں، مگر مجھے حیرانی ہے کہ ہم اسلام کے بارے میں تحقیقات کے ایک مستقل ادارے کے بغیر اس اسلامی دستور کو مؤثر کیسے بنا سکیں گے۔ لہٰذا اپنے اسلامی دستور کو اطمینان بخش حد تک مؤثر بنانے اور ریاست کی مسلم آبادی کو سچے مسلمان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم فوری طور پر کراچی میں ایک "مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" قائم کریں جو دنیا کی عظیم ترین مسلم ریاست کے شایانِ شان ہو۔ جنابِ عالی! ایک "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کا قیام ہمارا اپنے مثالی ہدف کے حصول کی طرف ایک قدم ہو گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ادارہ بذاتِ خود ہماری تمام آرزوؤں کی تکمیل کے لیے کافی ہو گا، البتہ اس مرحلے پر ہمارے تہذیبی شعور میں داخل ہوتے ہوئے مغربی افکار کی غلامانہ در آمد کو روکنا انتہائی ضروری ہے؛ اسی طرح تہذیبی کارہائے نمایاں Achievements اور مغربی افکار کے حدود اربعہ کی قدر و قیمت کا اندازہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ سچائی کی روشنی میں نئے سرے سے لگانا Revaluate ضروری ہے۔ ہمیں اپنی قوم کے سامنے اور اپنی قوم کے ذریعے ساری دنیا کے سامنے عملی طور پر یہ

---

27- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

ثابت کرنا ہے کہ قرآن وسنت آج بھی کس طرح تمام شعبہ ہائے زندگی میں عمل انسانی کی رہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم نہ کبھی پرانا outdated ہوا تھا نہ کبھی ہو گا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اسے شعوری کے ساتھ پیش کیا جائے، جو یوں لگتا ہے کہ صدیوں تک غلامی کا عادی ہو جانے کی وجہ سے اللہ کریم کی زندگی بخش قوت اور دائم الحرکت قدرت کو بھول چکا ہے۔ یورپی فکر جنھوں نے کبھی انسانی ترقی کا پیغام دیا تھا، آج اسی سے بہت سے مختلف الجہات نظریے جنم لے رہے ہیں، جن کی وجہ سے آج دنیا وحدت فکر کی دہائی دے رہی ہے، اور یہ وحدت فکر (synthesis) جو پہلے سے اسلام میں موجود ہے، اسے وسیع پیمانے پر دنیا بھر کے فائدے کے لیے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ذریعے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی وحدت فکر پر اگر علمی میدان میں کام کیا جائے تو اس کے عملی مظاہرے کے لیے اس کا نصف ثانی پاکستان کی تجربہ گاہ میں پایا جاسکتا ہے۔

اس طرح کی فکری وحدت پاکستان کے تعلیمی نظریے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اسلامی نظریۂ تعلیم کو ایک عملی نمونے کے طور پر صرف اس طرح متعارف نہیں کروایا جاسکتا کہ پاکستان کی موجودہ جامعات کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور وہ خود بخود اسلام کے لیے کام کریں، بلکہ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب اسلامی تحقیق کا ایک مرکز مہیا کر دیا جائے، جہاں قرآن وسنت کی روشنی سے جنم لینے والی فکر کو اس نظم وضبط کے ساتھ پیش کیا جائے کہ وہ پاکستان کی نوجوان نسل کے تہذیبی عقل وشعور میں راہ پاسکے۔ جامعات اور دیگر اداروں میں جو کچھ کیا جارہا ہے اسے خوش آمدید اور اس کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے۔ مگر یہ سب کچھ کرنے سے ایک عظیم مرکزی ادارے کی ضرورت ختم نہیں ہو جاتی، جس کے تحت کئی شاخیں اور شعبے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ فکر اسلامی کو درست انداز میں پیش کرنے اور پوری مسلم دنیا میں اس کی ترویج واشاعت کے لیے یہ ادارہ اتنا بڑا ہو کہ اس میں تعلیم وتعلم کے مختلف شعبے ہوں اور اس کا دائرہ کار اس قدر وسیع ہو کہ اپنی تحقیق میں ایسے طریقہ ہائے کار کا احاطہ کرے جن کی مدد سے قرآن وسنت کے احکام کو دور جدید کی شرائط کے مطابق نافذ کیا جاسکے۔ جناب عالی! میں یہاں اپنی وہ تقریر دہرانا چاہتا ہوں جو میں نے اس بارے میں بجٹ کی بحث کے دوران کی تھی:

اور پھر، جناب عالی! گذشتہ پانچ سال کے عرصے میں ہم نے بہت سے فنی اور تحقیقی ادارے قائم کیے ہیں، جیسے کہ ''ملیریا انسٹی ٹیوٹ''، ''جوٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ''، ''کاٹن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ''، ''پاکستان انٹرنیشنل افیئرز انسٹی ٹیوٹ'' وغیرہ۔ اسی طرح اگلے سال کے بجٹ میں ایک ''پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ'' قائم کرنے کی تجویز بھی آچکی ہے۔ یہ سب ادارے مادی پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں، مگر بدقسمتی سے ابھی تک کوئی، ''اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'' شروع کرنے کے لیے،

کچھ نہیں کیا جاسکا، جس کی اہمیت اور فوری ضرورت انتہائی توجہ چاہتی ہے۔ موجودہ وقت اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ آج ہی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کو اپنے پروگراموں میں سرفہرست رکھا جائے۔ جناب! ہماری اسلام سے عدم واقفیت بھی دراصل اسلامی طرز حیات سے ہماری دوری کا سبب ہے۔ ہم نے اسلام کی متحرک قوت کے بارے میں اپنے آپ پر شکست خوردگی کا توہم طاری کر لیا ہے۔ ہم یہ بھول چکے ہیں کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ وہ ایک ضابطہ ٔ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا حل قرآن و حدیث نے پیش نہ کیا ہو۔ اس لیے دینی تحقیقی کام اور ان تمام دینی کتب کے تمام صوبائی زبانوں میں تراجم کروانے کے لیے مناسب انتظامات کیے جانے چاہییں اور مجھے امید ہے کہ ہمارے صالح اور صاحبِ تقویٰ عزت مآب وزیر اعظم اس معاملے کو اس کی انتہائی اہم حیثیت کے شایان شان طریقے سے شروع کریں گے، ورنہ ہماری ریاست صرف قراردادِ مقاصد کی حد تک ایک اسلامی ریاست رہ جائے گی۔ اس بنا پر میری تجویز ہے کہ آئندہ سال کے زائد بجٹ میں سے مناسب رقم کراچی میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کے لیے مہیا کی جائے۔

اس سلسلے میں چند الفاظ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا زیادہ تر ریاستی سطح پر اسلامی طرز زندگی اور سلوک و کردار کے بارے میں کم علمی ہی کی وجہ سے ہے کہ اقلیتیں اسلامی ریاست کے قیام کے تصور سے خوف زدہ ہیں۔ اگر ہم ٹھیک طرح سے ان کے سامنے اسلام کے حقیقی معنی اور اصولوں کی وضاحت کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ ان کا تخیلاتی خوف خود بخود فوراً ختم ہو جائے گا۔ ہمیں ان کے سامنے لازمی طور پر اس بات کی وضاحت بھی کرنی چاہیے اور انہیں اس بارے میں مطمئن بھی کرنا چاہیے کہ ایک "مسلم ریاست" اور ایک "اسلامی ریاست" میں کیا فرق ہوتا ہے۔(۲۸)

## جناب لال میا کا ادارے کے قیام کو امر الٰہی قرار دینا اور دیگر ارکان کے اس پر مثبت و منفی تبصرے

جناب عالی! یہ قرار داد جو میں نے پیش کی ہے، اس کے بارے میں نہ چاہتے ہوئے اور بہت ہچکچاہٹ کے ساتھ، اس معزز ایوان کے سامنے ماضی قریب میں پیش آنے والا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں، جس نے مجھے اس ایوان کی منظوری کے لیے یہ قرارداد پیش کرنے کی ذمے داری لینے کی تحریک دی۔ جنابِ عالی! میری آپ کی وساطت سے اپنے معزز رفقائے کار سے اور خصوصاً عزت مآب ارکان کابینہ سے گذارش ہے کہ جو کچھ میں آئندہ لمحات میں بتانے والا ہوں اسے ذرا توجہ سے سنیں۔

---

۲۸- یہ تقریر سطور بالا میں
Constituent Assembly; Legislature, Monday, the 19 March 1952, 252 .
کے حوالے سے نقل کی جاچکی ہے۔

جنابِ عالی! یہ تقریباً ماہ جولائی ۱۹۵۱ء کے وسط کی بات ہے، میرے حج کے لیے مکہ مکرمہ سفر سے ایک دِن قبل کہ میں نے اپنے مرحوم وزیر اعظم قائد ملت لیاقت علی خان کو ایک خط لکھا۔ خط اگرچہ بہت مختصر تھا، مگر اپنے مضمون کے لحاظ سے انتہائی اہم تھا۔ اسے میں چٹاگانگ گورنمنٹ ڈاک بنگلا میں اپنے ہاتھوں سے ٹائپ کیا تھا اور اسی روز اسے حوالۂ ڈاک کر دیا تھا۔

جنابِ عالی! اگرچہ میں یہاں وہ الفاظ بعینہ نہیں دہرا سکوں گا جو میں نے تحریر کیے تھے، مگر میں ایک محتاط اندازے سے یہ کہہ سکتا ہوں اور ایوان کو یقین دلا سکتا ہوں کہ میں اصل خط کا مضمون اور اس کی روح بعینہ دہرانے جا رہا ہوں، یہ خط غالباً اس طرح تھا:

میرے پیارے وزیر اعظم صاحب!

اپنے سابقہ خط کے تسلسل میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے ایک بار پھر حکم دیا گیا ہے کہ کراچی میں ایک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام میں مدد فرمانے کے لیے آپ سے درخواست کروں۔ اس موقع پر آپ کا نام خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اسے میری طرف سے درخواست سمجھ کر نہ لیجیے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھیے اور کسی تاخیر کے بغیر ادارہ قائم کرنے کی کوشش کیجیے۔ میں کل بحری جہاز ایس ایس سفینہ مراد کے ذریعے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔ اور چوں کہ میں چٹاگانگ سے جا رہا ہوں اس لیے آپ سے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا، البتہ اگر آپ کو اس سلسلے میں مزید کسی وضاحت یا معلومات کی ضرورت محسوس ہو تو جدہ میں پاکستانی سفارت خانے کی معرفت مجھے خط لکھ دیجیے۔

جنابِ عالی! میں ۸/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو جدہ پہنچا،(۲۹) اور میرے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کی طرف سے کوئی خط نہیں آیا۔ میں اسی رات مکہ شریف چلا گیا، اور وہاں یہ سب کچھ بھول گیا۔

---

۲۹۔ اصل انگریزی رپورٹ میں اسی طرح ہے، ممکن ہے لکھنے میں غلطی ہوگئی ہو اور اصل عبارت "۸/ ستمبر ۱۹۵۱ء کے پہلے ہفتے میں" ہو۔ دور جدید کے تقابلی نقشۂ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو سن ہجری کی تاریخ ۷/ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ تھی۔ اور اس وقت حج کا وقت گزر چکا تھا۔ اس لحاظ سے حج کرنے کے لیے ان کا ۸/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو جدہ پہنچنا نہیں بنتا، لہٰذا اگر ۸/ تاریخ کو ہی دیکھا جائے تو ۸/ ستمبر ۱۹۵۱ء کو وہ مناسب تاریخ ہے جو ۶/ ذی الحج ۱۳۷۰ھ کو آتی ہے۔ اس سے اگلے فقرے میں ان کی واپسی اکتوبر ۱۹۵۱ء کے پہلے ہفتے (یکم تا ۷/ اکتوبر) میں لکھی ہے۔ یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس تاریخ کو سن ہجری کی تواریخ ۲۹/ ذی الحج ۱۳۷۰ھ تا ۶/ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ بنتی ہیں۔ انھوں نے ماہ جولائی ۱۹۵۱ء کے وسط میں چٹاگانگ سے بذریعہ بحری جہاز جدہ کا سفر شروع کیا تھا اور یہ شوال ۱۳۷۰ھ کی غالباً ۹- ۱۱ تواریخ بنتی ہیں، واللہ اعلم۔
http://www.al-habib.info/islamic-calendar/global_pdf/global-islamic-calendar-year-1951-ce.pdf.

جنابِ عالی! حج ادا کرنے کے بعد جب میں اکتوبر ۱۹۵۱ء کے پہلے ہفتے میں جدہ واپس پہنچا، تو ایک ”ادارہ تحقیقاتِ اسلامی“ کے قیام کا سوال ایک بار پھر میرے دِل میں اٹھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے خط اور ادارے کی تقدیر کے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے تاب ہو چکا تھا۔ میں بلا جھجک یہ اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس بات کا خیال کرنے سے بھی خوف آتا تھا کہ اب تک ادارے کے قیام کے لیے کچھ بھی نہیں کیا گیا ہو گا۔ چناں چہ میں نے کم از کم یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بارے میں ایک خط لکھ دوں؛ البتہ میں نے ہندوستانی افواج کی پاکستانی سرحدوں پر مرکوزیت کی وجہ سے پیدا ہونے والی سیاسی صورت حال کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کیا کہ براہ راست وزیر اعظم کو خط نہ لکھوں اور حقیقتاً میں نے مرکزی کابینہ کے ایک انتہائی اہم رہ نما کو خط لکھا۔ اس خط میں میں نے عزت مآب وزیر اعظم کے نام اپنے پہلے خط کا حوالہ دیا جو چٹاگانگ سے انھیں ایک ”ادارہ تحقیقاتِ اسلامی“ کے بارے میں لکھا تھا اور ان سے درخواست کی کہ وہ عزت مآب وزیر اعظم سے معلوم کریں کہ انھوں نے اب تک اس کے قیام کے بارے میں کوئی اقدام کیا ہے یا نہیں اور اگر نہیں کیا تو ان سے درخواست کریں کہ وہ فوری طور پر اس کے لیے اقدام کریں اور قائد اعظم یادگاری فنڈ یا اگلے سال کے بجٹ سے اس کے قیام کے لیے فنڈ مختص کریں۔ میں نے عزت مآب وزیر سے یہ بھی کہا کہ وہ وزیر مالیات سے بات کریں کہ وہ بجٹ تخمینہ میں اس کام کو بھی شامل کریں۔

جنابِ عالی! اب میں آپ کو اس خط کا انتہائی اہم حصہ بتانے جا رہا ہوں۔ میں نے عملاً خط ختم کر دیا تھا، مگر حیران کن طور پر ــ مجھے معلوم نہیں کہ میرے اندر سے کس نے مجھے چند مزید جملوں کا اضافہ کرنے پر مجبور کیا ــ میں نے اس کے آخر میں درجِ ذیل اضافہ کیا:

مہربانی کر کے عزت مآب وزیر اعظم سے کہنا کہ وہ اسے محض میری طرف سے ایک درخواست سمجھ کر ہلکا پھلکا نہ لیں، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم سمجھیں اور کسی تاخیر کے بغیر کراچی میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کر دیں۔ اس سب کے باوجود، اگر وہ اس سے پہلو تہی Ignore کرتے ہیں اور فوری طور پر اسے قائم نہیں کر پاتے، تو مجھے بہت ڈر ہے کہ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیں گے، جس کے نتیجے میں نہ صرف پاکستان کو خطرات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، بلکہ ہمارے پیارے وزیر اعظم کو ذاتی طور پر بھی۔

یہاں میں نے اپنا خط ختم کر دیا۔

جنابِ عالی! اب میں وقفہ کرتا ہوں اور عزت مآب ارکان اسمبلی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس معاملے پر غور کریں۔ میں وہ خط ہوائی ڈاک کے ذریعے بھیجنا چاہتا تھا مگر اس کی وصولی یقینی بنانے کے لیے میں نے یہ خط اور اس کے ساتھ دو اور خط جن میں سے ایک عزت مآب جناب ڈاکٹر ملک کے نام تھا اور دوسرا عزت مآب صدر

مجلس دستور ساز کے نام تھا، ڈاکٹر یو پاشا کے حوالے کیے جو اس شہر کے مشہور ہومیو پیتھ ہیں اور حج کی ادائیگی کے بعد ۶ یا ۷/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی جانے والے تھے۔ اس کے بعد مجھے اطلاع بھی مل گئی کہ وہ خط عملی طور پر ۱۳/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو جناب وزیر کے سپرد کر دیا گیا، مگر ۱۶/ تاریخ کو ہمارے وزیر اعظم قائد ملت شہید ہو گئے۔

جنابِ عالی! میں نے اب تک جو کچھ اس موضوع پر کہہ دیا ہے اس پر کچھ مزید نہیں کہنا چاہتا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سابق سے ہمارے پیارے وزیر اعظم، شہید ملت کی روح، جنھوں نے پاکستان اور اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کر دی، اوپر سے آج کے اس اجلاس کی کارروائی دیکھ رہی ہو گی، اور خوش ہو رہی ہو گی کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کا جو کام وہ مکمل نہ کر پائے تھے، وہ ہمارے نئے وزیر اعظم اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچ رہا ہے، اور اس طرح پاکستان کو حقیقت میں ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے ایک اور اقدام کیا جا رہا ہے۔

جنابِ عالی! میرا خیال ہے میں نے اس ایوان کے ارکان کو ایک "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" مع مختلف ذیلی شاخوں کے قیام کی اہمیت، ضرورت، فوائد اور فوری ضرورت کے بارے میں قائم کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ بات کر لی ہے، جیسے کہ میں نے اپنی قرارداد میں اس کی تجویز دی ہے۔

جنابِ عالی! تاریخی قراردادِ مقاصد پاس کر کے ہم نے ریاست کا نقشہ اور خاکہ بطور اسلامی ریاست تیار کر لیا ہے۔ آیئے اب ہم پورے خلوص، یقین کامل اور عقیدے کے ساتھ اس قرارداد کو اپنائیں اور اس کے مطابق ایک حقیقی اسلامی ریاست - پاکستان - کا سنگ بنیاد رکھ دیں۔ اور آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے۔

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ رحمان ورحیم ہے، اس کی ذات پاک ہے، وہ عرش عظیم کا مالک ہے، سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں! میں آپ سے آپ کی رحمت لازم کرنے والے ذرائع کا سوال کرتا ہوں، آپ کی بخشش حاصل کرنے کے وسائل مانگتا ہوں، ہر نیکی سے وافر مقدار کی درخواست کرتا ہوں اور ہر گناہ سے حفاظت کی التجا کرتا ہوں، ہمارا کوئی گناہ مغفرت کے بغیر نہ رہنے دیجیے، کوئی غم دور کیے بغیر نہ چھوڑیے، اور ہماری کوئی بھی حاجت ہو - جس میں آپ کی رضا ہو - اسے پورا کر دیجیے، یا ارحم الراحمین، آمین۔ (۳۰) (۳۱)

---

۳۰- یہ ایک مسنون دعا کا ترجمہ ہے جس کی عبارت حدیث میں اس طرح ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ، اللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ. ابن المبارک (م ۱۸۱ھ)، **کتاب الزهد والرقائق**، باب فضل ذكر الله عزوجل (بيروت: دار الكتب العلمية) ۱: ۳۸۳۔

31- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

**جناب چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ) نے یہ قرارداد پیش کرتے ہوئے فرمایا: تحریک پیش کی جاتی ہے؛**
یہ کہ اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ایک مرکزی ادارہ جس کا نام "ادارہ برائے تحقیقات اسلامی" ہو، کراچی کے وفاقی علاقے میں قائم کیا جائے جس کی مختلف ذیلی شاخیں اور شعبے ہوں جہاں انسانی علم و عمل کے مختلف شعبوں میں اسلام کے نقطۂ نظر سے تحقیقات کی جائیں؛ سماجی، معاشی، تاریخی، تعلیمی، ثقافتی، دستوری، عدالتی وغیرہ۔ اسی طرح اسلام کے بارے میں مختلف موضوعات اور اسلامی مواد پر مشتمل موضوعات پر اعلیٰ درجے کا لٹریچر وہاں سے جاری کیا جائے۔ (۳۲)

**جناب پی ڈی بھنڈارا (پنجاب جنرل) کی تائید اور وضاحت**

جناب عالی! میں اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔

ہو سکتا ہے اس موضوع پر گفت گو کرنے کی وجہ سے مجھے منافقت کا الزام دیا جائے۔ میں نہ تو اسلامی ادب کا طالب علم ہوں نہ ہی اسلامی فکر کا؛ مگر میں ایک ایسی تجویز کی تائید کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جس کا منصوبہ اس لیے بنایا گیا ہے کہ ہماری کم علم عوام کے علم میں اضافہ کیا جائے، نیز انھیں درست اندازِ زندگی اپنانے اور اپنے بچوں کی درست تربیت کر کے مفید پاکستانی شہری بنانے کا طریقہ سکھایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی تحریک کردار سازی میں اہم کردار ادا کرے گی اور ہمارے ہماری اخلاقیات کو تباہی سے بچانے کے لیے قوت مدافعت کا کام دے گی، جس کے لیے ان اوصاف کا حامل ایک ادارہ ضروری ہے۔ کردار سازی جو اس تجویز کے مقاصد میں شامل ہے، ایک انتہائی اہم قومی خزانہ ہے اور اس کی اہمیت سے قطعاً چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ (۳۳)

**مولانا محمد اکرم خان (مشرقی بنگال) کی تائید اور تنقید**

جنابِ عالی! جو تقریر میرے معزز دوست چوہدری معظم حسین نے اس قرارداد کی تائید میں کی ہے، اسے دو حصوں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ قرارداد بذاتِ خود انتہائی مناسب ہے اور میں صمیمِ قلب سے اس کی تائید کرتا ہوں، مگر میرے خیال میں اس کی تائید کے لیے جو تقریر کی گئی ہے، وہ سند کے معیار پر پورا نہیں اترتی اور اسلام کی متفقہ تعلیمات کے خلاف ہے۔ ہمارا کسی شخص کی کرامات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے؛ اس لیے جو کچھ کہا گیا ہے میں اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں، اور اپنی اس لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے، میں اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔ (۳۴)

---

32- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.
33- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.
34- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

## جنابِ نور احمد[۳۵] (مشرقی بنگال: مسلم) کی تائید

جنابِ عالی! میں اس قرار داد کی تائید کرتا ہوں۔ جنابِ عالی! ہم نے "قرار دادِ مقاصد" کے عنوان سے اس موقر ایوان میں ایک تاریخی قرار داد پاس کی ہے۔ اس قرار داد میں ہم نے یہ قرار دیا ہے کہ غالب اکثریت -مسلمانانِ پاکستان- کو ایک ایسا ماحول فراہم کیا جائے گا جس میں وہ اپنی زندگیاں اپنے دینی اصولوں اور نظریے کے مطابق ڈھال سکیں۔ جنابِ عالی! یہ قرار داد تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسا ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کیا جائے جہاں انسانی علم و عمل کے تمام شعبوں میں اسلام کے نقطۂ نظر سے تحقیقات کی جائیں؛ خصوصاً سماجی، ثقافتی اور تعلیمی شعبوں میں۔ میں حزبِ اختلاف کے معزز ارکانِ اسمبلی کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ قرار داد حکومت سے صرف یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کر دے جہاں انسانی علم و عمل کے انتہائی اہم موضوع پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے تحقیق کی جائے۔ اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جس کا معاشرے کے تمام طبقات سے تعلق ہو۔ جنابِ عالی! اسلامی اصولوں اور اسلامی نظریے کے پس منظر میں تاریخ کا ایک عظیم الشان باب ہے جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس نے انسانی معاشرے میں کس طرح ایک ہمہ جہت انقلاب بپا کیا۔ عرب جو کہ انسانی معاشرے میں ایک انتہائی محرومی اور تنزل کی انتہائی نچلی سطح پر تھے اور جرائم، باہمی جھگڑوں اور خون کی پیاسی جنگوں سے ان کی وحدت پارا پارا تھی، اور وہ کہ جن کی اخلاقی حالت انتہائی زوال پذیر تھی، انھوں نے اسلامی اصولوں کو اپنایا تو محض ستر سال کے عرصے میں عالمی طاقت بن گئے اور انھوں نے دنیا کے سامنے ثابت کر دیا کہ اسلامی اصولوں کی پیروی کر کے وہ کیسے اس قابل ہو گئے کہ انھوں نے اپنی معاشرتی حالت کو بھی بہتر کر لیا اور ایک ایسا معاشرہ متعارف کروا دیا جس میں ہر انسان مساوی حقوق اور مقام و مرتبے سے لطف اندوز ہوتا تھا، نیز امن و امان اور خوشی و مسرت سے اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ اسی بنا پر ہمیں پاکستان میں اس موضوع پر تحقیق کی ضرورت ہے، تاکہ ہم پوری دنیا کو یہ دکھا سکیں اور ثابت کر سکیں کہ اسلامی تعلیمات اور اصولوں کو اپنی روز مرہ زندگی کے معمولات میں مجسم کرنا ہماری خرابیوں کو ختم کرنے اور ہمارے پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے کس قدر ضروری ہے تاکہ پوری دنیا کو پھر سے ایک پُر سکون دنیا بنایا جا سکے جس میں تمام انسان امن و اخوت سے رہ سکیں اور ایک سے دوسرے انسان کے درمیان تفریق سے

---

۳۵- غالباً یہ وہی نور احمد ہیں جنھوں ۱۹۴۸ء اور مابعد کے اسمبلی اجلاسوں میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی قرار داد کی روشنی میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کے بارے میں اسمبلی میں سوالات کیے اور اس میں تاخیر پر اعتراض کیے، مگر یہاں انھیں مشرقی بنگال سے مسلم نمائندہ ظاہر کیا گیا ہے اور وہاں مغربی پنجاب سے، اس کی تحقیق ضروری ہے۔

محفوظ رہیں۔ میری تمنا ہے کہ وہی اسلام کی قوت محرکہ پھر سے تازہ ہو جائے۔ آیئے اسلام کے عظیم کارہائے نمایاں کو اپنی آئندہ زندگی کی اصلاح کے لیے رہ نما اصول بنالیں۔

جہاں تک معاشی زندگی کا تعلق ہے، تو میں زور دے کر یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام سود کے خلاف ہے۔ اپنی معاشی پالیسی میں اسلامی اصولوں کی پیروی کر کے ہم عجائبات دکھا سکتے ہیں؛ اس لیے ہمیں ان اصولوں پر مبنی ایک پالیسی مرتب کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں انتہائی واضح ہدایات موجود ہیں جو کہ اس موضوع پر تحقیق کے ذریعے مہیا کی جاسکتی ہیں۔

قرآنِ مجید، حدیث شریف اور دیگر کتب میں آجر اور اجیر کے رویوں کے بارے میں رہ نمائی پر مبنی انتہائی جامع ہدایات اور احکام موجود ہیں۔ اگر ان ہدایات و احکام کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو یہ ملازم اور صاحب عمل کے لیے ایک کتاب رہ نمائی کے طور پر کام کر سکتی ہے، جس سے آجر اور اجیر کے آپس میں تعلق کے سلسلے میں پیدا شدہ پیچیدہ اور شدید مسائل کا حل آسانی سے دست یاب ہو سکتا ہے۔

جنابِ عالی! اگر اس نکتے پر تحقیق کی جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان تمام مسائل کا حل اسلام میں بہت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سے وہ شدید مسائل بھی حل ہو جائیں گے جن کا سامنا کسی بھی صنعتی ملک کو ہوتا ہے۔ جہاں تک مزدور اور آجر کا تعلق ہے تو ان کا حل صرف ان ہدایات کی طرف رجوع سے ہو سکتا ہے جو قرآن مجید اور دیگر اسلامی کتابوں کے اندر موجود ہیں۔

اس طرح، جنابِ عالی! قرآنِ پاک اور حدیث شریف میں تجارت و معیشت سے متعلقہ رویوں کے بارے میں بہت سی روایات اور احکام موجود ہیں۔ آئے روز معاشرتی اقدار کے خلاف اقدامات کی خبریں آتی رہتی ہیں اور ہم ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کے بارے میں خبریں بھی سنتے رہتے ہیں۔ اگر ان امور کے بارے میں تحقیق کی جائے تو ان امور کے بارے میں بہت واضح ہدایات سامنے آئیں گی۔ اگر ان ہدایات کو جمع کر کے ان پر مبنی قانون سازی کی جائے اور اسے کتابی شکل میں شخصی اور اجتماعی ہر طرح کی تجارت کرنے والے لوگوں کی رہ نمائی کے لیے شائع کر دیا جائے تو اس سے معاشرے کے خلاف ہونے والی سرگرمیاں، چور بازاری اور ذخیرہ اندازی جن کا آج ہمیں ہر سو رواج نظر آتا ہے، پاکستان سے بھی ختم ہو جائیں گی اور دنیا سے بھی ان کا نام مٹ جائے گا۔ یہ سرگرمی صرف مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہو گی بلکہ دنیا کے دوسرے لوگوں کے بھی کام آئے گی۔ شخصی اور اجتماعی دونوں طرح کی تجارت کے کاروبار میں ان ہدایات کی پیروی کرنا بہت ضروری ہے۔

جنابِ عالی! جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے تو میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اسلام نے تاریخ میں بڑی بڑی نمایاں ہستیاں پیدا کیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کینہ پرور مؤرخین اور غیر ملکی تواریخ نے، اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے، ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر کے جو ان کی نہیں تھیں، ان کی کردار کشی کی اور سیاہ رنگوں سے ان کی تصویر کشی کی۔ مثال کے طور پر شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کو لے لیجیے، انھیں ایک متعصب مسلمان کے طور پر پیش کیا گیا ہے، مگر ان کے بہت سے مکتوبات جو انھوں نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کی طرف لکھے اور بہت سی تانبے کی تختیوں سے جن کا اب انکشاف ہوا، یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک فراخ دِل ترین شہنشاہ تھے، متعصب اور تنگ ذہن نہیں تھے، جیسے کہ مؤرخین نے اور خصوصاً یورپی مؤرخین نے ان کی تصویر کشی کی ہے۔ یہی حال حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا ہے۔ ان کے نمایاں کارنامے بہت عظیم تھے، مگر یہ ایک عیاں حقیقت ہے کہ غیر ملکیوں نے اپنے مکروہ اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے درمیان تفرقہ پیدا کیا؛ مگر چوں کہ ان لوگوں نے غیر ملکی استعمار کے خلاف جنگ کی اس لیے ان کے کارہائے نمایاں کو بھی سیاہ رنگوں میں پیش کیا۔

اب جناب! قرارداد یہ کہتی ہے کہ اسلام کے تعلیمی اور تہذیبی پہلو پر بھی تحقیق ہونی چاہیے۔ جناب! اسلام ایک مرتبہ دنیا کو تہذیب و ثقافت کی روشنی دکھا چکا ہے۔ سپین، سمرقند، بخارا، مصر اور قسطنطنیہ میں ایسے لوگ ہوا کرتے تھے جنھوں نے علم کو محض علم کی خاطر حاصل کیا۔ انھوں نے سائنس، تاریخ اور دیگر انسانی علوم میں اپنا حصہ ڈالا اور آج ہم رہ نمائی کے لیے مغرب کی طرف دیکھتے ہیں، مگر اسلام کے بہت سے کارہائے نمایاں ایسے موجود ہیں جن پر ہمیں اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے اور جس ادارے کے قیام کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں ہماری تمام ضروریات کو پورا کر سکے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ پاکستان کا موجودہ تعلیمی نظام اس ملک کے باشندوں میں وہ کردار پیدا نہیں کر سکتا جو ہماری خواہش ہے۔ اس میں مادی نقطۂ نظر کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے طلبہ تعلیم کا حقیقی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جب تک ہماری تعلیمی پالیسی اور تعلیمی نظام کی تشکیل نو نہیں ہو جاتی اور ذرائع تعلیم کی بھی تجدید نہیں ہوتی، پاکستان، مادی ترقی کے باوجود، جو ممکن ہے کہ وہ مستقبل میں کر لے، وہ اعلیٰ مقاصد نہیں حاصل کر پائے گا جو اس ریاست کے قیام کے وقت پیش نظر تھے۔ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے، ہمیں اپنا تعلیمی نظام اسلامی نظریے پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے ایسی عظیم شخصیات پیدا کیں جو اعلیٰ علم کی علامت ہیں۔ اس لیے ہمیں ان شعبوں میں تحقیق کی ضرورت ہے اور اس نوع کے ایک ادارے کا وجود بہت ضروری ہے، نہ صرف پاکستان کی بہتری کے لیے، بلکہ وسیع معنوں میں پوری دنیا کی بہتری کے لیے۔

اس کے بعد جنابِ عالی! میں یہ بات پوری تاکید سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس قرار داد میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سب لوگوں کا احاطہ کرے۔ میں حزبِ اختلاف سے اپیل کرتا ہوں کہ پاکستان کے بہترین مفاد کے لیے اس قرارداد کی تائید کریں۔ بعض اوقات یہ بات سننے میں آتی ہے کہ حزب اختلاف کے ہمارے کچھ فاضل دوست ہماری اس ریاست کو "اسلامی" کہنے کے حق میں نہیں۔ میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کریں اور خود دیکھ لیں کہ "اسلامی ریاست" سے مراد کیا ہے؟ اگر انھیں اس لفظ کی عظمت کا احساس ہو جائے تو وہ اس پر اعتراض نہیں کریں گے، بلکہ اسے خوش آمدید کہیں گے۔ انھیں چند الفاظ کے ساتھ، جنابِ عالی! میں اس قرار داد کی تائید کرتا ہوں۔[۳۶]

## سردار امیر اعظم خان (پنجاب: مسلم) کی تقریر[۳۷]

جنابِ صدر! تقریباً پانچ چھ برس قبل جب برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے مل کر پاکستان کے لیے جدوجہد کی، انھوں نے یہ سب کچھ محض اس لیے نہیں کیا کہ اس قدر وسیع رقبے میں زندگی گزار سکیں۔ ان کا مقصد ایک ایسا محفوظ وطن حاصل کرنا تھا جہاں انھیں ان برائیوں کے علاج کا موقع ملے جو ان کے معاشرے میں گھس آئی تھیں، نیز یہ کہ وہ اپنی معاشی اور تعلیمی شعبوں میں اپنی پس ماندگی ختم کر سکیں۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ان کی اپنی ایک ریاست حاصل کر سکیں، جہاں وہ اپنی زندگیوں کو اسلام کے رسوم ورواج اور روایات کے مطابق ڈھال سکیں۔ اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ قیامِ پاکستان کے پانچ سال گزر جانے کے باوجود ہم نے ان مسلمانوں کو اس قابل بنانے کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں کہ وہ اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھال سکیں؟ ہم محض قرار دادِ مقاصد پاس کر کے مطمئن ہو بیٹھے ہیں، جو امید ہے کسی ایسی جگہ نہیں رکھ دی گئی ہوگی جہاں اسے کیڑے کھا جائیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ جب اسے طلب کریں تو ہمیں یہ نہ کہ دیا جائے کہ اس فائل کو تو کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ میں لال میا کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ایک قرارداد پیش کرنے کی ہمت کی جو پاکستانی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے اس ایوان اور حکومتی ارکان کو۔ جن کے ہاتھوں میں اختیار اقتدار ہے۔ یہ یاددہانی کرانے کا ذریعہ بن رہی ہے کہ وہ اس مقصد کو عملی شکل دینے کے لیے ضروری اقدامات کریں جو پاکستان بنانے کے لیے ہمارا محرک تھا۔

---

36 - Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

۳۷۔ اردو تقریر کا انگریزی ترجمہ۔۔۔۔۔۔اس ترجمے کو ہم نے دوبارہ یہاں اردو میں ڈھالا۔

جنابِ عالی! وہ سب کچھ جو ہمارے ساتھ ہماری غلامی کے دو سو سالوں کے دوران کیا جاتا رہا اور اس کے بعد بھی ہوتا رہا، اس نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ ہمیں براہِ راست نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے سابق حکم رانوں نے ہمارے لیے ایک ایسا نظامِ تعلیم تشکیل دیا جس کا مقصد تشکیل ہی ہمیں تعلیم کے اصل مقصد سے دور رکھنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے غیر متوقع طور پر بہت سی ایسی چیزیں اپنالی ہیں جو غیر اسلامی تھیں۔ مگر شرم کی بات یہ ہے کہ ہم سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی انھی پرانی برائیوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم اسلامی اور غیر اسلامی کاموں میں تمیز کرنے کا شعور ہی گم کر بیٹھے ہیں، جن سے ہمارے روز مرہ کے معمولات تشکیل پاتے ہیں۔ اب ہم ان کاموں کو چھوڑنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے جو ہماری دینی تعلیمات کے تقاضوں کے خلاف ہیں۔ اس کی روشنی میں ہمیں فوری طور پر ایسے ادارے قائم کرنے کا عمل شروع کر دینا چاہیے جو ایسا لٹریچر شائع کریں جس سے پاکستان کے شہری اسلامی اور غیر اسلامی طریقہ ہائے زندگی میں امتیاز کرنے کے قابل ہو سکیں اور دوسرے کی جگہ پہلے کو اختیار کر سکیں۔

میں پہلے تعلیم کی بات کروں گا۔ ہمارے ہاں اس وقت رائج نظامِ تعلیم انتہائی ناقص ہے۔ تعلیم کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر جو صلاحیتیں موجود ہیں، وہ نکھر کر سامنے آجائیں، مگر اس سے کہیں دور، ہمارے سابقہ حکم رانوں کے پیشِ نظر اس کا مقصد محض کلرک پیدا کرنا تھا جو مشین کی طرح کام کریں۔ یہاں تک کہ آزادی کی صبح طلوع ہونے کے بعد بھی یہاں کا تعلیمی نظام بالکل وہی ہے جو پہلے تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی متعارف نہیں کروائی گئی۔ یہ ضرور ہے کہ بعض مواقع پر ہمیں اپنے وزیرِ تعلیم اور پنجاب کے وزیرِ تعلیم سے یہ سننے کو مل جاتا ہے کہ موجودہ نظام اپنی افادیت ختم کر چکا ہے اور یہ کہ وہ اس میں ضروری تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر جب میں نصابی کتب کو ایک نظر دیکھتا ہوں جو سکولوں میں ہمارے بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ ان کے مضامین وہی ہیں جو ہم نے اپنے بچپن میں پڑھے تھے۔ مختصر یہ کہ آزادی حاصل کرنے کے پانچ سال بعد بھی ہم اسی جگہ کھڑے ہیں جہاں ماضی میں کھڑے تھے۔

اپنے ملک میں نافذ العمل قوانین کے بارے میں بھی میں یہی رائے دینے پر مجبور ہوں جو میری نظر میں دوسروں کے قوانین سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے سینکڑوں مسلمان بھائی ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک اسلام کا روزے، نماز، حج اور زکاۃ کے علاوہ کوئی معنی نہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ تصور سچائی سے کس قدر دور ہے۔ اسلام ایک مکمل معاشرتی نظام کی نمائندگی کرتا ہے، جس میں روحانی قوانین کے ساتھ ساتھ اسی طرح ایسے قوانین بھی ہیں جن کا براہ راست مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے اپنے دیوانی اور تعزیراتی قوانین

بھی ہیں، مگر یہ بات در حقیقت قابل افسوس ہے کہ ہم نے ان پورے پانچ سالوں میں کچھ بھی نہیں کیا۔ ہم ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے۔ ہمارا معاشرہ ابھی تک بہت سی برائیوں کی آماج گاہ ہے۔ مثال کے طور پر شادی اور اس جیسے دیگر مواقع پر ہم کئی ایسی چیزیں مناتے ہیں جو سرے سے اسلام کے خلاف ہیں اور آگے چل کر ہماری تباہی کا سبب بن سکتی ہیں۔ جناب عالی! میں حکومت سے یہی کہوں گا۔ یہ ان کا فرض ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کریں جو ایسا مواد شائع کرے جو یہ دکھا سکے کہ یہ بری عادات ہماری معاشرتی زندگی میں کیسے در آئی ہیں اور غیر اسلامی چیزوں نے ہمارے معاشرے میں کیسے راہ پائی ہے اور یہ کہ در حقیقت اسلامی تعلیمات کیا ہیں جن کی پیروی ہمیں کرنی چاہیے۔ اگر یہ کام کر دیا جاتا ہے تو، مجھے امید ہے کہ ہم اپنے جمود کے بہت سے حصے پر قابو پانے کے لائق ہو جائیں گے۔

میں اپنے موجودہ معاشی نظام کے ڈھانچے کے بارے میں بھی یہی کچھ کہوں گا۔ آپ کے علم میں ہے کہ اسلام نے ہمیں ایسا کوئی بھی معاملہ کرنے سے منع کیا ہے جس کا تعلق سود سے ہو۔ ہم نے اب تک ایسا کوئی تجارتی نظام وضع کرنے کی کوشش تک نہیں کی جس کی مدد سے ہم اپنے لین دین سے سود کا عنصر ختم کر سکیں۔ سٹیٹ بینک اور نیشنل بینک جنھیں حکومت چلا رہی ہے، وہ دونوں بھی ابھی تک سود پر مبنی لین دین کر رہے ہیں۔ یہ بالکل غیر اسلامی معاملہ ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں ایک ادارہ قائم کرنا چاہیے جو ایسا طریقہ متعارف کروانے کے امکانات کے بارے میں تحقیق کرے کہ ہم تجارتی لین دین میں سود لینے اور دینے کی مجبوری سے جان چھڑا سکیں۔ میری رائے میں، ہمارا سود جیسے غیر اسلامی اصول پر عمل پیرا رہنے کا تسلسل ہمارے اسلام پر یقین کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے، جس قدر جلد ممکن ہو ہمیں اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

اسی طرح تاریخ کا معاملہ ہے جو سکولوں میں ہمارے بچوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ یہ انگریز نے لکھی تھی اور اس کا مقصد ہمارے عزائم کو بالکل نچلی سطح پر رکھنا تھا۔ اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو ہمارے آبا و اجداد کی تاریخ کو پھر ایسے انداز سے مرتب کرے جو ہمارے اندر نئی روح پھونک دے اور ہماری نوجوان نسل کے تخیل کو آتشِ شوق سے بھڑکا دے۔ ہم سب، بشمول ان لوگوں کے جو یہاں بیٹھے ہیں، غلامی کے پرانے سکولوں کے درس یافتہ ہیں اور اس سکولی تعلیم کے اثرات کو دور کرنے کے بجائے ہم اب تک انھیں سینے سے لگائے بیٹھے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہم کچھ ایسے طریقے اختیار کریں جو ہمارے لیے اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور

ان پر عمل کرنے، نیز سچے مسلمان بننے میں مددگار ثابت ہوں۔ انھیں چند الفاظ کے ساتھ میں اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔[۳۸]

## عزت مآب عبدالحامد صاحب (مشرقی بنگال: مسلم) کی طرف سے معمولی ترمیم

کیا میں معزز ایوان کی توجہ حاصل کر سکتا ہوں، کہ میں اس قرارداد میں چھوٹی سی قابل عمل ترمیم زبانی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری ترمیم یہ ہے: "قرارداد کی سطر نمبر ۸ میں یہ الفاظ "اسلامی نقطۂ نظر سے" حذف کر دیے جائیں"۔

جنابِ عالی! معزز قرارداد پیش کنندہ خود کہہ چکے ہیں کہ "اسلام پر مبنی اور اسلام سے متعلقہ مختلف موضوعات کا مطالعہ کیا جائے"، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ان الفاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی جن کو حذف کرنے کی تجویز میں نے دی ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ جناب قرارداد پیش کنندہ میری ترمیم کو قبول فرمائیں۔

جناب! معزز ارکان کی اس معاملے میں گہری دل چسپی ہے کہ ہماری ریاست کو ایک اسلامی ریاست ہونا چاہیے، مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس مقصد کو وجود دینے کے سلسلے میں بہت سی کامیابیاں حاصل کی جا چکی ہیں۔ سردار امیر اعظم خان نے فرمایا ہے کہ سکول کے بچے وہی نصابی کتب پڑھ رہے ہیں جو خود انھوں نے پڑھی تھیں، جناب، ایک ایسے تعلیمی نظام کی تشکیلِ نو جو اس ملک میں ۲۰۰ سال سے نافذ العمل ہے، اتنا آسان کام نہیں۔ یہ بات درست نہیں کہ مختلف صوبوں میں تعلیمی نظام کی تشکیل نو کے معاملے پر پوری توجہ نہیں دی گئی۔ اگر مجھے معلومات درست دی گئی ہیں تو، صرف میرے صوبے میں ہم ایجوکیشن ری کنسٹرکشن کمیٹی تشکیل دے چکے ہیں اور اس کمیٹی کی رپورٹ حکومت کے زیر غور ہے۔ ایک نئے نظام کو مؤثر طور پر نافذ کرنے کے لیے آپ کو بالکل بنیاد سے ابتدا کرنا ہوگی، نہ کہ فوری طور پر چوٹی سے شروع کریں گے، حتیٰ کہ یہ بھی حقیقت نہیں کہ ہم اوپر والے تدریسی مراحل میں کچھ نہ کچھ تبدیلی لانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے۔ میرے صوبے میں، ہم نے نصابی کتب پر نظر ثانی کر لی ہے اور کوشش کی ہے کہ تدریسی کتب میں اسلام اور اسلامی مضامین کو اس حد تک شامل کر دیا جائے جس قدر ہماری پالیسی سے مطابقت رکھتا ہو۔

جنابِ عالی! رسوم و رواج اور مراعات ایک طویل عرصے تک ملک میں نافذ العمل رہے ہیں اور یہ بات خود تعلیم یافتہ طبقے کے حق میں نہیں ہے کہ وہ اٹھیں اور مجلس دستور ساز میں آ کر حکومت پر زور دیں کہ ان برے

38- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

رسوم ورواج کو یک دم ختم کر دیں جو انھوں نے خود اپنائے رکھے ہیں۔ معاشرتی اصلاحات ایک ایسا عمل ہے جسے تبدیلی اور تشکیل نو کے لیے کافی وقت تک معاشرے کے ذمے چھوڑے رکھنا ضروری ہے۔ میں ایسی حکومت کے ماتحت رہنا پسند نہیں کروں گا جو ہمارے گھریلو معاملات پر بھی اختیار رکھتی ہے یا ہمارے سماجی معاملات میں بھی؛ یہ تو ایسے ہی ہو گا جیسے ہم اشتراکی نظام حکومت نافذ کرنے جارہے ہوں۔ اسے تو ہم یقیناً ناپسند کرتے ہیں۔ جناب! میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے گذشتہ چار سالوں میں بدلے ہوئے حالات کے اندر اپنے زندگی کے رویوں پر نظر ثانی کے سلسلے میں بہت کچھ کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کی کوئی بھی حکومت کسی بھی ملک میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ہر حالت اور ہر شعبے کی تشکیل نو کر سکتی ہے، میرا سردار اعظم خان صاحب اور ملک کے دیگر تعلیم یافتہ قائدین کو مشورہ ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں سماجی اصلاحات کی انجمنیں قائم کرنا شروع کریں اور معاشرے میں رائج مختلف غیر اسلامی اور معاشی طور پر ناہموار نظاموں سے فوراً جان چھڑالیں۔ ہمیں موجودہ حالات پر مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیے، یا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ خود اپنی ذمے داریوں سے جان چھڑاتے رہیں اور حکومت کو اس کی ذمے داریوں کے حوالے سے کچھ نہ کرنے کا طعنہ دے کر کوستے رہیں۔

جنابِ عالی! کسی ملک کی معاشی زندگی کی تشکیل نو اتنا آسان کام نہیں ہے۔ آج کی دنیا کے سیاق وسباق میں اور آج کے حالات میں کسی ملک کی معاشی زندگی دوسرے ممالک کے ساتھ مربوط ہے، اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ اپنے آپ کو باقی دنیا سے الگ تھلگ کر لیا جائے اور اپنا ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو دنیا کے حالات کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے شہریوں کی زندگیاں اسلام کے تقاضوں کے مطابق بھی بنا دی جائیں۔ جناب! تاریخ نے حقائق کو مسخ کر دیا ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کو ناحق بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اور کیا کچھ نہیں کیا۔ یہاں یہ شکایت کی گئی ہے وہی تاریخ اب بھی پڑھائی جارہی ہے جو گذشتہ سالوں میں پڑھائی جاتی رہی۔ شاید معزز رکن کو یہ معلوم نہیں کہ حکومت پاکستان صوبائی حکومتوں کی مشاورت سے ایک کمیٹی قائم کر چکی ہے جس کے ذمے ہمارے ملک کی تاریخ کی تدوینِ نو کا کام لگایا گیا ہے۔ جب یہ تاریخ مکمل ہو جائے گی، تو ہم دیکھیں گے کہ اس میں اسلام اور مسلم حکمرانوں کو اس میں ایک مختلف مقام دیا گیا ہے۔ اس کے لیے وقت تو درکار ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ کچھ ہی وقت میں ہر کام اسی طرح ہو جائے گا جس طرح پاکستانی قوم کی خواہش ہے۔ جمہوری دور یقیناً لوگوں کی عمومی خواہش کا پر تو پیش کرے گا--- کوئی ذاتی خواہش نہیں --- وہ خواہش جس میں پاکستانی قوم کا ہر فرد اور ہر جماعت اپنے نظریات کو عملی وجود دینے کے لیے پر عزم ہے۔

جنابِ عالی! ان چند الفاظ کے ساتھ میں اپنی دلی تائید اس قرارداد کے حق میں پیش کرتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ میری پیش کی ہوئی ترمیم قبول کرنے پر ایوان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ (۳۹)

## جناب چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ) قرارداد پیش کی جاتی ہے:

"قرارداد کی سطر نمبر ۸ میں یہ الفاظ "اسلامی نقطۂ نظر سے "حذف کر دیے جائیں"۔ (۴۰)

عزت مآب جناب فضل الرحمن کا سوال: ترمیم کا کیا ہوا؟ کیا قرارداد پیش کنندہ نے اسے منظور کر لیا ہے؟

جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا): جنابِ عالی! میں اس ترمیم پر اپنی رائے اب دے سکتا ہوں یا بعد میں دوں؟

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ)؛ یہ ترمیم در حقیقت محض ایک زائد لفظ کو حذف کرنے تک محدود ہے۔

جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا): ذاتی طور پر میں اس ترمیم کو منظور کرتا ہوں، بشرطے کہ ایوان کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ)! کیا آپ ترمیم کو منظور کرتے ہیں؟

جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا)! چوں کہ جو الفاظ حذف کرنے کی تجویز دی گئی ہے وہ غیر ضروری ہیں، اس لیے مجھے یہ ترمیم منظور کرنے میں کوئی اعتراض نہیں، بشرطے کہ ایوان کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ)! جب بحث ہو گی تو ترمیم اور اصل قرارداد دونوں زیر بحث آئیں گی اور آخر میں، پہلے ترمیم ایوان کے سامنے رکھی جائے گی اور بعد میں قرارداد۔ (۴۱)

## سردار اسد اللہ جان خان (صوبہ سرحد: مسلم) کی تنقیدی تقریر

جنابِ صدر، جنابِ عالی! سب سے پہلے تو میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ مزید وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ جناب لال میا شاید یہ سمجھتے ہیں، جنابِ صدر، کہ میں

39- Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.
40 - Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.
41 - Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

اس پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہاں معزز ارکان نے جو آرا پیش کیں، میں نے انھیں خوب غور سے سنا۔ مجھے یک دم علامہ اقبال کا ایک مصرع یاد آیا: ”میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر“۔ میں کچھ دیر تک اس مصرع کو بڑے احترام اور خلوص کے ساتھ دہراتا رہا اور اب تک میں اس کے زیر اثر ہوں، اگر چہ جنوں کسی پر بھی اچھا اثر نہیں ڈالا کرتا۔ اب چوں کہ میں مجنون نہیں ہوا، اس لیے میرا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور بندوں کے حق میں اپنی ذمے داری ادا کروں۔ یہ بہت مشکل کیفیت ہے۔ جنابِ صدر، الفاظ بڑی خطرناک صورت حال پیدا کر دیتے ہیں اور ہمیشہ یہ امکان رہتا ہے کہ ان سے غلط تاثر جنم لے۔ یہاں ہم نے یہ الفاظ سنے ہیں: اسلام، مسلمان، قرآن اور حدیث۔ مگر ہم یہ دیکھنے کی کبھی تکلیف نہیں کرتے کہ ہمارے اعمال بھی اسلام، اس کے اصولوں، اس کی روایات، قرآن اور حدیث (نبی کریم ﷺ کے ارشادات) کے مطابق ہیں؟۔ مجھے یہ الفاظ سن کر دلی خوشی ہوئی، مگر ان کے نادرست استعمال سے مجھے تکلیف ہوئی۔ لفظ ”اسلام“ کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے، یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دے اور خوش دِلی اور رضامندی سے اس کے احکام کی پیروی کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ: اگر اسلام کا معنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے سر جھکا دینا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کی مرضی ہر مذہب میں موجود نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ہر مذہب میں موجود ہونے کی دلیل قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ [یونس ۱۰: ۴۷]۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہر قوم کی طرف آئے۔ اس کے بعد ہمیں قرآنِ مجید میں یہ بھی ملتا ہے: لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ [الرعد ۱۳: ۳۸]۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ”ہر زمانے کے لیے ایک کتاب ہے“۔ اب جنابِ عالی! بحیثیت مسلمان میرے لیے اللہ تعالیٰ کا پیغام قرآن اور حدیث میں ہے، مگر معزز رکن جناب چٹوپاڈھیایا کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی؛ وید، شاستر اور گیتا میں، جب کہ مسیحی بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی کتاب مقدس اور مقدس پوپ حضرات کی کونسل کے فیصلوں میں موجود ہوتی ہے۔ اگر یہ سب چاہیں کہ تمام مذاہب کے پیروکاروں کے لیے ریاست پاکستان میں ایک ایک ادارہ قائم کر دیا جائے تو، میرے خیال سے، اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اگر اس تجویز کا مقصد محمد عربی ﷺ کے پیروکاروں کے فائدے کے لیے ایک ادارہ قائم کرنا ہے تو پھر یہ ادارہ قرآن اور حدیث کی ہدایات کے مطابق قائم ہونا چاہیے۔

کیا یہ ایمان داری کا کام ہوگا کہ غیر مسلموں پر ٹیکس لگا کر ان سے چندہ جمع کیا جائے اور پھر اسے ان کی خواہش کے خلاف کسی منصوبے پر خرچ کر دیا جائے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام خاص اصولوں کا ضابطہ

ہے۔ وہ ہم پر خاص فرائض عائد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ ہمیں ہر کام بڑی ایمان داری کے ساتھ انھی کے مطابق کرنا چاہیے۔ میرا خیال ہے ہماری حکومت کسی صورت ایمان داری کو اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دے گی۔ جنابِ عالی! ہو سکتا ہے کوئی خاص لفظ کسی شخص کے لیے ناپسندیدہ ہو، مگر ضروری نہیں کہ وہ سب کے لیے ایسا ہی ہو۔ مثال کے طور پر، میں اگر کسی سرمایہ دارانہ ذہن کے آدمی یا کسی زمین دار یا کسی صنعت کے مالک کے سامنے "کمیونزم" کا لفظ بول دوں تو ہو سکتا ہے وہ اسے سنتے ہی فوراً غصے سے آگ بگولا ہو جائے، مگر یہی لفظ اگر کسی کسان یا مزدور کے سامنے بولوں تو وہ خوشی سے ناچنے لگے گا۔ اس طرح الفاظ خطرناک حالات کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم الفاظ کے استعمال میں جس قدر محتاط ہوں گے اسی قدر ہمارے لیے بہتر ہو گا۔ یہاں ہمارے مسیحی بھائی بھی ہیں، ہندو بھی ہیں، اور وہ بھی جو "دہریہ" کہلاتے ہیں اور انھوں نے پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا ہے۔ یہ سب ہمارے ہم وطن ہیں۔ اس لیے ہمیں، اس بارے میں انتہائی محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو ان کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث بنے۔

اب ایک اور سوال بھی ہے اور وہ یہ کہ قراردادِ مقاصد تمام ارکان کی باقاعدہ رسمی رائے شماری کے ذریعے پاس کی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کر لی گئی تھی۔ دستور میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ "میں اپنے حاکم اعلیٰ سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں"؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "واضح قوانین کے اندر" مگر قوانین تو عزت مآب جناب خواجہ ناظم الدین کے ہاتھ میں ہیں، عزت مآب جناب گورمانی کے ہاتھ میں ہیں اور عزت مآب جناب فضل الرحمن کے ہاتھ میں ہیں، اور ہم نے حاکمیت اعلیٰ ان کے ہاتھوں میں تو رکھی ہی نہیں۔ ہمارا حاکم اعلیٰ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور قرآنِ مجید کو نازل فرمایا اور رہ نمائی کے لیے آقائے دوجہاں حضرت محمد ﷺ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ): آرڈر، آرڈر۔ برائے مہربانی اپنی گفت گو کو قرار داد کے موضوع پر مرکوز رکھیے۔

سردار اسد اللہ جان خان: بہت اچھا، جناب، اب، جنابِ عالی! اس کے باوجود اگر لفظِ "مسلم" سے مراد صرف وہ لوگ لیے جاتے ہیں جو مسلمان ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں تو ان کے لیے زیادہ مناسب لفظ "اسلامی شہری" ہے جیسے کہ یونانی اور مسیحی شہری ہوتا ہے۔ "اسلامی شہری" کا معنی صرف یہ ہو گا کہ ہم نے اپنے تئیں مسلمان ہونے کا اعلان کیا ہے، لیکن دنیا صرف ہمارا اعلان سن کر ہماری ایمان داری پر یقین نہیں کرے گی۔ جو چیزیں اصل اعتبار کے طور پر دیکھی جاتی ہیں وہ ہمارے اعمال اور کارکردگی ہیں اور یہ چیزیں ہمارے قوانین، ہماری انفرادی زندگیوں اور

ہماری اجتماعی زندگی کے روزمرہ میں واضح ہونے چاہییں۔ یہ اچھی بات نہیں کہ ہم اپنے ظاہری قالب میں تو مسلمان نظر آئیں، مگر ہمارے اعمال اور کارکردگی غیر اسلامی ہو۔ اب، جناب، میں عرض کرتا ہوں کہ اس طرح کے معاملات ہمارے دیگر ہم وطنوں کے سامنے غلط تاثر کا سبب بنتے ہیں۔ اگر آپ کوئی چیز خاص مسلمانوں کے لیے کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ اس کے اخراجات صرف اس رقم سے کریں جو مسلمانوں سے جمع کی گئی ہو، تاکہ ہمارے وہ بھائی جو دیگر مذاہب کے پیروکار ہیں، انھیں اس سے کوئی شکایت نہ ہو۔ اگر ایسے مقاصد کے لیے رقم قومی خزانے سے لی جائے گی تو یہ قابلِ اعتراض بات ہوگی، اگرچہ روپے میں ایک آنے کی نسبت سے ہی اس رقم میں غیر مسلموں کا حصہ ہو، کیوں کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ایک حدیث میں آتا ہے: "تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ"۔ اسے موطأ میں نقل کیا ہے۔[۴۲] اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے پیچھے تمھارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم لوگ ان دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مضبوطی سے تھامے رہوگے، گم راہ نہیں ہوگے۔ لہٰذا جب تک ہمارے پیش نظر اپنی رہ نمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآنِ مجید، رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اور اسلام جیسا ایک قابلِ رشک خزانہ موجود ہے ہمیں کوئی ایسی تحقیق نہیں چاہتے۔

جنابِ عالی! میں یہ بات قطعاً ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی غلطی کرسکتا ہے، یا جناب پیغمبر مذہب کے بارے میں یا اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارے میں کوئی غلطی کرسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی عقل مندی نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ چھوڑ کر اپنے آپ کو کسی انسان کی رائے کا پابند بنا دیا جائے جو یقیناً یا تو شک پر مبنی ہوگی یا اندازے پر یا کسی خیال پر۔ اگر آپ اسلام کو اپنے اصل رنگ اور فطری حسن میں دیکھنا چاہتے ہیں تو صرف قرآن اور حدیث کا مطالعہ کرلیں۔ ان کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہم سے کیا کر عمل کروانا چاہتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان مجھے یقین ہے کہ مسلمان صرف اس صورت میں مسلمان بن سکتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے احکام پر عمل کریں۔ اگر ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے احکام کے مطابق نہیں ہیں تو ہم اس لفظ کے تقاضوں کے مطابق حقیقی مسلمان نہیں۔ اگر ہمارے

---

۴۲- مالک بن انس، **موطأ الامام مالک**، ت: محمد مصطفیٰ الاعظمی (ابوظبی: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للاعمال الخيرية والانسانية، ۲۰۰۴ء)، ۵: ۱۳۲۳۔

کردار اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے احکام سے ہم آہنگ نہیں ہیں تو ہم جھوٹے ہیں--- ہم اور کچھ بھی ہوسکتے ہیں مگر مسلمان نہیں ہوسکتے۔ انھیں الفاظ کے ساتھ میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ (۴۳)

## جناب شہود الحق (مشرقی بنگال: مسلم) کی قرارداد پیش کنندہ کی تقریر پر اعتراض

جنابِ عالی! یہ قرارداد جس عبارت میں ہے، اگرچہ اس کی ترتیب وتدوین بہت زبردست الفاظ میں نہیں کی گئی، تاہم اس کی ظاہری عبارت سے جو مفہوم معلوم ہورہاہے، اس کی بناپر بھی، یہ اپنے مقصد اور اپنے تمام پہلوؤں کے لحاظ سے، ایک اچھی قرارداد ہے۔ البتہ جنابِ عالی! میں ذاتی طور پر ایسی قراردادیں اس ایوان میں پاس کرنے کے خلاف ہوں، کیوں کہ یہ قراردادیں عام لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں جذباتی اور غیر حقیقی امیدیں پیدا کرتی ہیں، مگر نتیجتاً ان کے لیے سخت مایوسی کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان قراردادوں کو عام طور پر سرد خانے میں جگہ ملتی ہے اور ان کو عملی طور پر نافذ نہیں کیا جاتا یا اگر انھیں قومی خزانے کے بھاری اخراجات کے ساتھ عملی جامہ پہنا بھی دیا جاتا ہے تو عموماً ان کی سفارشات تسلیم نہیں کی جاتیں اور اربابِ اختیار کی طرف سے ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ جنابِ عالی! بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ کی رودادوں کا حال دیکھنے کے بعد اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ دستور سازی کے عمل میں اس موقر مجلس کی سفارشات کو کس قدر وزن دیا گیا ہے، انسان ایسی مجالس کے مفید ہونے کے بارے میں سخت مایوس ہو جاتا ہے۔

میرے معزز دوست نے، یہ قرارداد پیش کرتے ہوئے، اپنے خطاب میں کچھ غیر متعلقہ باتیں شامل کی ہیں، جن سے بحیثیت مسلمان میں قطعی لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ وحی نازل ہونے کا زمانہ پیغمبر اسلام ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے میں، اپنے دوست، قرارداد پیش کنندہ، سے درخواست کرتا ہوں کہ اس ایوان کی سطح پر اس قسم کی غیر اسلامی چیزوں کو نہ لایا کریں۔ جنابِ عالی! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایسی باتیں قرارداد پیش کنندہ کے خطاب سے حذف کرنے کا حکم جاری فرمائیں، جس میں انھوں نے بتایا کہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کے لیے انھیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جنابِ عالی! اگر میرے یہ دوست ان غیر اسلامی دخل اندازیوں کو اپنے خطاب سے حذف کرنے پر راضی ہوتے ہیں تو میں اس قرارداد کی منظوری کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کے لیے غور کروں گا جو اس وقت ایوان میں ہے۔

---

43 – Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

# مخدوم زادہ سید حسن محمود (بہاولپور سٹیٹ) کی تائیدی تقریر میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ساتھ دیگر مذاہب کے لیے ادارے قائم کرنے کی تجویز

جنابِ عالی! کچھ وقت کے لیے تو میں اس مخمصے میں رہا کہ میں اس قرار داد کے بارے میں خطاب کے لیے اٹھوں بھی یا نہ اٹھوں؛ مگر ایک رکن کی تقریر نے جو اس وقت میرے بائیں جانب بیٹھے ہیں، میرے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان کر دیا، جس میں انھوں نے کہا کہ ہر مذہب میں آسمانی احکام اور ہدایات موجود ہیں اور یہ کہ اس وقت تک کوئی اسلامی تحقیقاتی ادارہ قائم نہیں کرنا چاہیے، جب تک کہ اسی طرح کا ادارہ ہر مذہب کے پیروکاروں کے لیے قائم نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لیے بامقصد حوالہ جات اور تفصیلی دلائل بھی دیے۔ تاہم میں، مختصراً یہ عرض کروں گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا تو اسے حکم فرمایا کہ لوگوں کو اس کا حکم پہنچاتے ہوئے اور ان کے لیے ایک دستور زندگی مرتب کرتے وقت، یہ اہم خوش خبری بھی انھیں پہنچا دیں کہ، ایک وقت آئے گا، جب پیغمبر محمد ﷺ ایک کامل کتاب لے کر زمین پر ظاہر ہوں گے، اور یہ کہ، جب وہ ظاہر ہوں گے تو ان سب کو ان پر ایمان لانا ہو گا۔ قرآنِ مجید کی پہلی سورت میں ہی یہ چیز درج ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ، یوم حساب اور کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور نیکی کی زندگی بسر کرتے ہو تو تمھیں کسی چیز یا کسی شخص کا خوف نہیں ہونا چاہیے[۴۴] اور جب نیکی کی زندگی کی تفصیلات کا تذکرہ آتا ہے تو یہ طے پاتا ہے کہ کسی فرد یا انسان کو اس وقت تک نیک قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ محمد ﷺ پر اس طرح ایمان نہ لے آئے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا مکمل رسول مانے۔[۴۵] ایسا ایمان لانا لازمی قرار دیا گیا اور یہ مسلمان کے ایمان کا لازمی جز

---

۴۴۔ غالباً سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (القرآن ۲: ۶۲) کی طرف اشارہ ہے، ترجمہ معزز رکن کی اپنی تعبیر ہے، لفظوں سے قدرے مختلف ہے۔

۴۵۔ اندازہ یہ ہے کہ اس سے مراد ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا

ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے لیے کیا کرتا ہے، تو میں اپنے خطاب میں کچھ دیر بعد اس موضوع کی طرف آؤں گا اور اس کی کچھ مثالیں پیش کروں گا۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ہم مسلمان سالہا سال سے ایسی غیر اسلامی فضا میں سانس لے رہے ہیں، جہاں اسلام کی جانچ اس کے اپنے معیار پر نہیں کی جاتی، بلکہ مسلم افراد کی زندگیوں کے معیار پر کی جاتی ہے۔ اگر کسی کو پیدائش کے وقت، حسن محمود یا اسد اللہ جان کی چھاپ لگا دی گئی ہے، تو اس طرح کے نام کے تخیل سے اس بات گارنٹی کے طور پر لے لیا جاتا ہے کہ اس کے تمام اعمال اسلامی ہیں۔ اتفاقاً مسلمان خاندان میں پیدا ہو جانے یا محض مسلمانوں والے نام کے عنوان کا یہ لازمی مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے تمام اعمال اسلامی ہوں گے۔ اب تو مسلمانوں نے اسلام ناپنے کا یہی پیمانہ اس وقت بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے؛ جب غیر مسلم اسلام کو ان لوگوں کے اعمال میں مجسم دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلام کے پیروکار ہونے کے دعوے دار ہیں۔ یہ ایک بالکل غلط معیار ہے، مگر بد قسمتی سے وہ فاسد فضا جس میں ہم رہ رہے ہیں، اس طرح کے عقیدوں میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ الحمد للہ اس ذات نے ایک بار پھر مسلمانوں کو موقع دیا ہے کہ اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ڈھال سکیں۔ قرارداد مقاصد جو اس ایوان نے پاس کی ہے، اس سے پاکستانی شہریوں کی امیدیں بلند ہوئی ہیں، جو اس ایوان پر بڑا اعتماد کرتے ہیں۔ حصولِ پاکستان کے لیے جو نعرہ بلند کیا گیا تھا، اس کے مقاصد کے حصول کی کوششوں کو آگے بڑھاتے ہوئے، میں اس قرارداد کو خوش آمدید کہتا ہوں، جو کہ اپنی نوعیت کی دوسری قرارداد ہے، جو اس ایوان میں پیش کی گئی اور اس ایوان کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے ان ارکان کی کوئی پروانہ کرے جنھوں نے اس کی مخالفت کی راہ اختیار کی ہے، اور اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ رکھے۔ مسلمان بنیادی طور اصولوں کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اسلام کے بنیادی اصول غیر مبدل ہیں اور عوامی رائے انہیں تبدیل نہیں کر سکتی؛ کیوں کہ اگر عوامی رائے غلطی پر قائم ہو جاتی ہے تو اس کی بنا پر اسلام کے بنیادی اصول منسوخ نہیں ہوں گے۔ دورِ جدید کے جمہوری نظاموں کے برعکس، اسلام میں عوامی رائے کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو ناقابل عمل قرار دے سکے یا انھیں اٹھا کر ایک طرف رکھ دے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کے خلاف دیگر اصولوں کو قبول کر لے۔ مسلمان قوم کو صرف اس بات کی اجازت ہے کہ کوئی ایسا لائحۂ عمل تشکیل دیں جس سے اسلام کے بنیادی احکام کو عملی

---

يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (القرآن ۴: ۶۰– ۶۵) ہے، مگر معزز رکن نے اپنے الفاظ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔

صورت میں ڈھال سکیں۔ انھیں صرف اس سلسلے میں تجاویز دینے کی اجازت دی گئی ہے، مگر انھیں اسلامی اصولوں کی بنیادیں تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مثال کے طور پر جب جناب چرچل Mr. Churchill کی پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو وہ صرف سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے قانون سازی کرتی ہے؛ اور اگر اٹلی[۴۶] (Attlee) کی پارٹی اقتدار میں آجاتی ہے تو وہ غریب لوگوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے قانون بناتی ہے۔ اس طرح کبھی ایک پارٹی اور کبھی دوسری کے حق میں پنڈولم کی ہر لہر کے ساتھ ان میں سے ایک خاص پارٹی کے مفادات کے تحفظ کے لیے رونما ہونے والی بنیادی تبدیلیاں آتی چلی جاتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ امیر اور غریب سب کا مالک ہے۔ اس کے قوانین سب کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں، ان کی مختلف نوعیتیں بھی اسی میں شامل ہوتی ہیں؛ جیسے امیر اور غریب، مرد اور عورتیں اور اسی طرح بوڑھے اور جوان۔ الٰہی قوانین امیر لوگوں کی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ غریبوں کا حق مار کر صرف امیروں کے لیے قوانین بنائیں، یا مردوں کے حقوق کو دبانے کے لیے صرف عورتوں کے لیے قوانین بنالیں۔ یہ خدائی قوانین ہر کسی کو زندگی گزارنے اور امن وامان کی ضمانت دیتے ہیں؛ یہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین نہیں ہیں اور اسی لیے ان میں کسی تبدیلی کی اجازت نہیں۔ جس پیمانے پر اسلام غیر مسلموں کو حقوق کی ضمانت دیتا ہے، اس کی کسی اور مذہب یا جمہوری قوانین میں نہیں ملتی۔ اپنے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کے لیے، میں ایک کہانی کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو امید ہے میرے دوست نے سن رکھی ہوگی۔

جس زمانے میں نبی کریم ﷺ نئے دین کی دعوت میں خوب مصروف تھے، ایک یہودی چپکے سے رات کے وقت آپ کے ساتھ کسی بات پر بحث کرنے کے لیے آپ کے حجرے میں آیا اور رات بھر آپ کے ساتھ قیام کیا۔ مہمان کا پیٹ خراب تھا، جس کی وجہ سے رات کو حجرے میں گندگی ہوگئی۔ صبح سے قبل ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔ یہودی پر خوف طاری تھا کہ مسلمان اپنے نبی کے حجرے کو ناپاک کرنے کی وجہ سے انتقاماً اسے مار مار کر اس کے چیتھڑے اڑادیں گے۔ چناں چہ وہ نبی کریم ﷺ سے اجازت لیے بغیر وہاں سے کھسک گیا۔ جب وہ دور چلا گیا تو اسے یاد آیا کہ وہ تو اپنی تلوار حجرے میں چھوڑ آیا ہے، چناں چہ اسے واپس آنا پڑا۔ جب وہ حجرے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ، آپ کے خلفاے راشدین اور صحابہؓ وہاں موجود تھے اور اس کی غلاظت کو دیکھ رہے تھے۔ صحابہؓ نے وہ جگہ صاف کرنے کی نیت سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو نبی کریم ﷺ

---

۴۶- برطانیہ میں لیبر پارٹی کے سربراہ کلیمنٹ ریچارڈ اٹلی (۱۸۸۳- ۱۹۶۷ء) Clement Richard Attlee ۱۹/ فروری ۱۹۴۲ء تا ۲۳/ مئی ۱۹۴۵ء برطانیہ کے نائب وزیر اعظم اور ۲۶/ جولائی ۱۹۴۵ء تا ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء وزیر اعظم رہے۔
https://en.wikipedia.org/wiki/Clement_Attlee.

نے انھیں روک دیا اور فرمایا کہ وہ غیر مسلم میرا مہمان تھا اور اس طرح انھوں نے خود ہی اس کا میزبان بننا پسند کیا، اور اپنے پیروکاروں کے مسلسل اصرار کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اپنی رائے نہ بدلی اور وہ آلودگی صاف کرنا شروع کر دی۔ اسی دوران وہ یہودی پہنچ گیا مگر کسی نے بھی اس کے خلاف زبان سے کوئی لفظ نہ نکالا۔ دوسری طرف اس کی تلوار بھی اس کے حوالے کر دی گئی۔ اس نے کہا کہ یہ ناخوش گوار واقعہ اس کے معدے کی خرابی کی وجہ سے پیش آیا اور یہ کہ وہ اس کے لیے معذرت چاہتا ہے۔ اس نے مزید وضاحت کی کہ وہ یہ سوچ کر بھاگ نکلا تھا کہ کہیں مسلمان غصے میں آکر اس پر حملہ نہ کر دیں۔ مختصر یہ کہ وہ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر ﷺ کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ یہاں میں یہ بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلام کے پھیلنے میں تلوار کا کوئی عمل دخل نہیں تھا، جیسا کہ عام طور پر اس کے دشمنوں کی طرف سے الزام لگایا جاتا ہے۔ شرافت اور مساوات اسلام کے وہ اوصاف تھے جن کی دعوت اور عملی مظاہرے نے لاکھوں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔[۴۷] اس سے مجھے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ یاد آیا، میں چاہتا ہوں کہ اسلام میں مساوات کی مثال بیان کرنے کے لیے اسے یہاں نقل کروں۔ شام کے علاقے میں جہاد جاری تھا، اسی دوران عیسائی پوپ کا ایلچی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیمے میں آیا اور یہ پیغام پہنچایا کہ اگر خلیفہ اپنے دشمن کے قلعہ میں جانے اور بات چیت کرنے پر راضی ہو جائیں تو مزید خون ریزی رک سکتی ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسلام امن وامان کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے اور اگر وہ کبھی تلوار اٹھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو محض اللہ تعالیٰ کے نام پر ایسا کرتا ہے اور جب مسلمان اس کا ارادہ کر لیتے ہیں تو کوئی طاقت انھیں فسادیوں کے خلاف جنگ کرنے سے نہیں روک سکتی۔ بہرحال حضرت عمرؓ نے پوپ کی دعوت قبول کر لی اور سفر کے لیے اونٹ تیار کرنے کا

---

۴۷۔ یہ واقعہ انھی الفاظ کے ساتھ مجھے نہیں مل سکا، البتہ ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے سمجھایا اور پانی کا ڈول منگوا کر اس جگہ کو صاف کر دیا۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور احادیث کی اکثر متداول کتابوں میں موجود ہے۔ اس کی ایک روایت کی عبارت درج ذیل ہے: حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْفَضْلِ الْأَسْفَاطِيُّ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ فَبَايَعَهُ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَامَ فَفَحَّجَ، ثُمَّ بَالَ فَهَمَّ النَّاسُ بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَقْطَعُوا عَلَى الرَّجُلِ بَوْلَهُ» ثُمَّ قَالَ: «أَلَسْتَ بِمُسْلِمٍ؟» قَالَ: بَلَى، قَالَ: «مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ بُلْتَ فِي مَسْجِدِنَا؟» قَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا ظَنَنْتُهُ إِلَّا صَعِيدًا مِنَ الصُّعُدَاتِ، فَبُلْتُ فِيهِ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ فَصُبَّ عَلَى بَوْلِهِ۔ (ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، **المعجم الکبیر** (قاہرہ: مکتبة ابن تیمیه، ۲۰۰۸ء)، ۱۱: ۲۲۰۔

حکم دے دیا۔ خلیفہ نے اس سفر پر اکیلے جانے کا اعلان کیا اور فوج کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت چاہی مگر خلیفہؓ نے انکار کر دیا۔ غلام کے اصرار پر بالآخر انھوں نے اس کی درخواست منظور کر لی اور فیصلہ کیا کہ ایک منزل تک اونٹ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوار ہوں گے اور اگلی منزل تک ان کا غلام سوار ہو گا۔ کئی دنوں کے بعد جب خلیفہ دشمن کے شہر کے قریب پہنچے تو پوپ قلعے کے اوپر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے خلیفہ کے حلیے، قد و قامت اور ان کے لباس کے بارے میں اپنے پیروکاروں کو بتا رہا تھا۔ جب دشمن کے سپاہیوں نے دور فاصلے سے اونٹ کو پہنچتے ہوئے دیکھا، تو انھوں نے پوپ کو بتایا کہ خلیفہ کا جو وصف اس نے بیان کیا تھا وہ اس شخص کے حلیے سے مطابقت نہیں رکھتا جو حقیقت میں اونٹ پر سوار ہو کر آ رہا ہے۔ مگر مسلمانوں کا جو لشکر اس علاقے میں لنگر انداز تھا اس کے لوگوں نے انھیں بتایا کہ چوں کہ آج کے روز اونٹ پر سوار ہونے کی باری خلیفہ کے غلام کی تھی، اس لیے خلیفہ اونٹ کی لگام پکڑ کر اسے چلا رہے ہیں۔ یہ معاملہ دیکھ کر شام والوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور شہر کی خوب صورت لڑکیوں سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے راستے پر قطار اندر قطار کھڑی ہو جائیں اور شہر کی دکانیں کھلی چھوڑ دی جائیں اور دکان دار بھی ان میں موجود نہ ہوں تاکہ جب مسلمان شہر میں داخل ہوں تو شاید وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائیں اور اپنی اچھی شہرت کو نقصان پہنچائیں مگر مسلمان تقوے کے اس قدر مضبوط تھے کہ پوری فوج اس آزمائشی علاقے سے گزر گئی اور کسی نے آنکھ اٹھا کر نہ تو کسی خوب صورت لڑکی کی طرف دیکھا اور نہ کھلی دکانوں میں سے کسی چیز کو ہاتھ لگایا۔ جب نماز کا وقت ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف روانہ ہوئے تو، پوپ نے ان سے درخواست کی کہ نماز گرجا گھر میں ادا کر لیں۔ خلیفہؓ نے جواب دیا: انھیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، اللہ تعالی کی عبادت کسی بھی جگہ کی جاسکتی ہے لیکن اگر وہ گرجا گھر میں نماز ادا کریں گے تو مسلمان اس جگہ کے دعوے دار بن جائیں گے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ چوں کہ گرجا گھر عیسائیوں کی ملکیت اور ان کی عبادت گاہ ہے، اس لیے وہ اس میں نماز ادا کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ (۴۸)

---

۴۸۔ یہ سن ۱۶ ہجری بمطابق ۶۳۷ء کا واقعہ ہے، مگر معزز رکن نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے جس سے واقعات میں کچھ رد و بدل ہو گیا ہے اور شاید مختلف واقعات کو یک جا کر کے ایک بنا دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ شہر القدس کی فتح کا ہے جو فتوحات شام کا حصہ اور اسلامی خلافتِ راشدہ اور بیزنطی شہنشاہیت کے درمیان جنگ کا تسلسل تھا۔ ماہ شوال ۱۶ ہجری بمطابق نومبر ۶۳۶ء میں حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح کی قیادت میں مسلمان فوج نے شہر القدس کا محاصرہ کیا تھا، جو چھ ماہ تک جاری رہا، اور چھ ماہ کے بعد وہاں کے پوپ "صفرونیوس" نے اس شرط پر بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ شہر کی چابیاں لینے کے لیے مسلمانوں کے خلیفہ خود بیت المقدس آئیں۔ سن ۱۶/ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سفر کیا۔

تو جناب! یہ وہ برداشت ہے جس کی اسلام میں دعوت دی جاتی ہے، اور جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اقلیتوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ روے زمین پر کوئی قوم اور کوئی مذہب ان کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی ایسی ضمانت نہیں دے سکتا جیسے اسلام اس کی گہری ضمانت اسلام دیتا ہے۔

جنابِ عالی! میں اب تک اصل موضوع کے متعلق تعارفی گفت گو کر رہا تھا اور ابھی تک میں نے موضوع کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اگر مہربانی فرما کر مجھے مزید پانچ منٹ دے دیے جائیں تو میں چند الفاظ میں اپنی بات مکمل کر لوں گا۔

جناب عبد اللہ المحمود (مشرقی بنگال: مسلم): جنابِ عالی! انھیں اجازت دے دیجیے۔

جناب احمد ای ایچ جعفر (سندھ: مسلم): جناب آپ انھیں میرے کوٹے میں سے وقت دے سکتے ہیں۔

مخدوم زادہ سید حسن محمود: جنابِ عالی! کیا مجھے پانچ منٹ کے لیے اجازت ہے؟

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ): آپ جاری رکھ سکتے ہیں۔

اچھا جناب! اب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ دوسرے تاریخی واقعات کو چھوڑ دوں، جو ممکن تھا کہ میرے دوست کے شکوک وشبہات کو تسکین دے سکتے۔

جنابِ عالی! میں اس قرار داد کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دِل کی گہرائیوں سے اس کی تائید کرتا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت مسلمان اپنی روایات کو دہرا رہے ہیں۔ اگر آپ اس چیز کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں جسے کبھی زوال نہیں اور جو ہمیشہ رہنے والی ہے، تو وہ آپ کو اس قدر ناقابل تسخیر بنا دے گی کہ زمین پر کوئی طاقت آپ پر غالب نہیں آسکے گی۔

جہاں تک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا تعلق ہے اور جہاں تک میں دوسری قرار داد کو سمجھ پایا ہوں (کیوں کہ اس کا تعلق بھی اسی قراداد کے ساتھ ہے)، تو میں مختصراً یہ کہوں گا کہ ہم نے اسی طرح کے مقاصد سامنے رکھ کر جامعہ عباسیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ ہم حکومتی ملازمت کے حصول کے لیے بی اے یا بی ایس سی پاس کرنے پر یقین رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ دینی تعلیم اس معاملے میں ہماری مدد نہیں کر سکتی۔ غریب لوگ اپنے بچوں کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا کرتے تھے، جب کہ دوسری طرف، کھاتے پیتے اور آسودہ حال لوگ حفظ ماتقدم کے طور پر اس سے پہلو تہی کرتے تھے۔ آج کے دور میں ہمیں ایسے مسلمانوں کی ضرورت نہیں جن کے ہونٹوں پر محض اذان کی آواز ہو۔ ہمیں خالد بن ولید جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں اسلام کے مقصد کے لیے مجاہدین کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو صرف ممتاز محققین ہی نہیں بلکہ بہادر مجاہدین بھی ہوں۔ ایسے

لوگوں کے ساتھ ساتھ ہمیں انجینیروں اور ڈاکٹروں کی بھی ضرورت ہے۔ یہ مقاصد تھے، جن کے تحت جامعہ عباسیہ قائم کیا گیا تھا۔ دیگر شہروں اور دیہاتوں میں جامعہ کی شاخیں قائم کی جارہی ہیں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے مقامی حالات اور بین الاقوامی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر جامع مسجد میں جمعہ کے خطبات دیے جائیں تاکہ مسلمانوں کو ان کے معاشی اور سماجی مسائل کے بارے میں آگاہی دی جائے، اور انھیں دیگر شعبہ ہائے زندگی کے تلخ حقائق کو محسوس کرنے کے قابل بنایا جاسکے۔

قراردادِ مقاصد کو اپنا کر، اس ایوان نے اس ملک کے لیے اسلامی حکومت کے حق میں واضح فیصلہ دے دیا ہے، مگر اب تک آپ نے اس مقصد کے حصول کے لیے زمین ہموار نہیں کی، جس کی تکمیل کا سارا دارو مدار سازگار فضا تیار کرنے پر ہے۔ اسلام انقلاب کی دعوت نہیں دیتا۔ اس کی بنیاد تدریجی ارتقا پر ہے۔ آپ کو قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر اس کی مثالیں ملیں گی کہ ابتدا میں بعض معاملات کے بارے میں بہت سخت موقف اپنایا گیا تھا، مگر بعد کے احکامات میں کافی نرم لہجہ اختیار کیا گیا۔ کئی دوسرے معاملات ایسے تھے جن کے بارے میں شروع میں احکامات نرم تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انھیں سخت کر دیا گیا۔ لہٰذا آپ کو ایسے اقدامات اختیار کرنا ہوں گے جو مسلمانوں کے ذہنوں میں ایمان داری اور بصیرت کی شمع دوبارہ روشن کر سکیں اور انھیں اسلامی قوانین اختیار کرنے کے لیے تیار کر سکیں۔

ایک مرتبہ پھر میں اس قرارداد کی دِل کی گہرائیوں سے تائید کرتا ہوں اور ارکان کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر اسے اس ایوان میں منظور کر لیا جائے اور حکومت پاکستان اس کو عملی جامہ پہنائے تو، ریاست بہاولپور سب سے پہلے آگے بڑھے گی اور مرکز سے شانہ بشانہ چلنے کے لیے اپنی مستعدی کا اظہار کرے گی۔[۴۹]

## سردار شوکت حیات خان (پنجاب: مسلم) قرارداد کی مخالفت میں تقریر

جنابِ عالی! حقیقت میں متعدد ممتاز خطبا کی اس ایوان میں انتہائی عالمانہ اور پر مغز تقاریر کے گل دستے کے بعد کوئی بات کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ پھر بھی، آج میں اتنی بات عرض کروں گا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس ایوان میں یہ قرارداد یا تو ایک لطیفے کے طور پر پیش کی گئی ہے کہ ماحول خوش گوار ہو جائے، یا اس کے ذریعے ایوان کو چند لمحے آرام کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ جن صاحب نے قرارداد پیش کی ہے، انھوں نے ایک انتہائی ناقابل اطمینان خطاب سے اس کی تائید کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد کی تقاریر اس سے بھی کم زور ثابت ہوئیں اور میرے کسی

---

49– Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

دوست نے اصل مسئلے کے کسی پہلو کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اسمبلی کچھ جذباتیت کی رو میں بہہ گئی ہے۔ یہاں آئے روز کچھ نہ کچھ ایسا کیا جاتا ہے جس سے جذبات بھڑکیں اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اگلے دِن کے اخبارات کی شہ سرخیوں کے لیے مواد فراہم ہو جائے اور دنیا میں واہ واہ ہو جائے۔ یا پھر شاید اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسی باتیں کر کے آئندہ انتخابات میں ایک دو ووٹ زیادہ لینے کی کوشش کی جائے۔ یہ اس آزاد مجلس کا روزانہ کا معمول بن گیا ہے اور اس طرح لوگوں کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ قوم نے آپ لوگوں کے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ ملک کے لیے ایک دستور کا خاکہ بنا دیں، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کا ایسے جذباتی معاملات میں الجھنا مناسب نہیں۔ جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں، جو باتیں آپ کے بڑوں نے کہی ہیں، ہمارے وزرا نے اور قرارداد پیش کنندہ نے، یہ سب جذباتیت ہے، بالکل خالص اور واضح۔ میں اللہ کا واسطہ دے کر آپ سے گزارش کرتا ہوں، کہ یہ عادت چھوڑ دیں، کیوں کہ یہ بات آپ لوگ خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جذبات سے کھیلنے کے نتائج کتنے بھیانک ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگوں کو منطقی ہونا چاہیے اور جو قرار دادِ مقاصد اس ایوان نے پاس کی ہے اس کے مطابق اقدامات کرنے چاہییں۔ اگر آپ لوگ صرف قرار دادیں پاس کرنا چاہتے ہیں اور اس ایوان کو ایک قرار دادیں بنانے والی مشین میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں تو پھر اپنی تمام خوب صورت اور اعلیٰ و ارفع قراردادوں کو لے کر آگے بڑھیے، جو دل کش الفاظ سے مزین اور معصوم انداز کا مرقع ہوں۔ ہمارے چیئر مین صاحب آپ کی قراردادوں کی تسوید و تنسیق ہر ممکن بہتر زبان میں کر دیں گے، مگر آج ہماری قوم کو مزید قرار دادوں کی ضرورت نہیں۔ اپنے دوستوں کے بلند بانگ دعوے اور ان کی الہامی باتیں غور سے سننے کے بعد اب آپ کا فرض ہے کہ فوراً یہاں دستور کی خاکہ سازی میں مصروف ہو جائیں، جس کے لیے لوگوں نے آپ کو منتخب کیا ہے۔ اگر آپ لوگ واقعتاً اپنے وقت کو بے نتیجہ کاروبار میں ضائع نہیں کرنا چاہتے تو ایک حقیقی اسلامی دستور کی خاکہ سازی کا کام شروع کر دیجیے، یہی ہمارے تمام امراض کا مداوا ثابت ہو گا اور زیر بحث قرار داد کا مقصد بھی اس سے پورا ہو جائے گا۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ ہمارے قائدین نے ہندوستان کے ساتھ تنازع کا ہیولا بنانے سے لے کر خطرناک سازشوں کے نام پر الہامات پیش کر کے ہمیشہ قراردادیں پاس کرنے کی عادت اپنائے رکھی ہے۔ بس یہی کچھ ہے جو انھوں نے پچھلے چار سالوں میں کیا۔ بنیادی اہمیت کے مسائل کو ایک منظم طریقے سے بالائے طاق رکھا جا رہا ہے۔ اب حقیقی کام یہ ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر دستور کا خاکہ تیار کیا جائے، یہ تمام چیزیں اسی میں شامل کی جائیں اور اسے ایک مثالی اسلامی دستاویز بنانے کی کوشش کی جائے۔ مختصر یہ کہ، مہربانی کر کے دستور تیار کریں اور اس ملک کے لوگوں اور باقی دنیا کے لوگوں کو قراردادوں کی افیوم دے کر نشے میں مبتلا کیے رکھنے اور اس کے ذریعے اصل مقصد کو پس منظر میں ڈالے رکھنے کی

عادت سے باز آجائیں۔ نہ یہ آپ کے لیے قرینِ انصاف ہے کہ تین اور چار ہزار روپے ماہانہ وصول کرکے آرام کرسیوں پر جھولے جھولتے رہیں اور نہ ہی ہمارے لیے کہ پینتالیس روپے روزانہ لے لیں اور دستور سازی کے معاملے میں آئیں بائیں شائیں کرتے رہیں۔ میں ایک بار پھر انتہائی ادب کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ درست طریقے پر کام کریں۔ یہی لوگوں کا آفاقی مطالبہ ہے اور صرف ایک ہی جماعت ہے جو اس مطالبے پر کان دھرتی نظر نہیں آتی اور وہ جماعت ہماری حکومت ہے۔ خدا کے لیے مہربانی کریں اور دستور کا خاکہ تیار کریں کیوں کہ ہماری تمام مشکلات اور ملک کے طول و عرض میں پھیلی بے چینی اور اضطراب کا سبب صرف اور صرف ایک نیا دستور بنانے سے ہمارا انکار کرنا ہے۔ ہم روز بروز دیکھ رہے ہیں کہ زبان کا تنازع یہاں بڑھتا چلا جارہا ہے، صوبائیت سر اٹھا رہی ہے اور ان سب مشکلات کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنا فرض ادا نہیں کررہے ہیں، جو کہ دستور کی تیاری ہے۔ قومی وحدت کو توڑنے کی خواہش مند قوتیں اس کے وجود میں دراڑیں ڈال کر ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کررہی ہیں اور اس طرح کے میلانات نظر آرہے ہیں جو، مجھے ڈر ہے ہیں پاکستان کے زوال کا سبب بن سکتے ہیں، جسے آپ لوگوں نے انتہائی قربانیوں بھری جدوجہد سے قائم کیا تھا۔ اگر آپ کی حکومت جذباتی باتوں اور فضول مشغلوں میں قیمتی وقت برباد کرتی رہے گی، تو اسے سوائے پاکستان کو نقصان پہنچنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

لہٰذا، میں پورے احترام سے، قرارداد پیش کنندہ سے، نیز دوسرے دوستوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس طریقے سے اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ مہربانی فرما کر روزانہ بارہ گھنٹے کے حساب سے بیٹھ کر انتہائی لگن کے ساتھ کام کریں اور جب تک دستور حتمی شکل میں تیار نہیں ہو جاتا، وہاں سے نہ اٹھیں۔ آپ اپنے تصورات کو اس ایوان میں پیش کرکے، اگر اکثریت اتفاق کرے تو، انھیں دستور میں شامل کرواسکتے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اس طرح وقفے وقفے سے چھوٹی چھوٹی قراردادیں لانے سے کوئی مفید مقصد حاصل ہوسکے گا۔ یہ صرف بھیڑیے کی کھال میں بھیڑیا کی طرح کا کھیل ہی ہوگا۔ میں ایک بار پھر انتہائی ادب سے التجا کرتا ہوں کہ ان فتووں کو ایک طرف رکھ دیں اور اس خودمختار ایوان میں، جو کہ اس قوم کی اعلیٰ ترین مجلس ہے اور سب سے بڑی قومی مقتدرہ ہے، اپنے آپ کو کسی حقیقی کام میں لگادیں۔

عین ممکن ہے آپ کے یہ مذہبی فتوے غیر مسلموں کے جذبات کو مجروح کردیں۔ میں مانتا ہوں کہ آپ لوگ ہی یہاں کے خودمختار ہیں اور آپ کے اس قسم کے الہامات ہوں گے، مگر میں پھر بھی آپ سے اپیل کرتا

ہوں، اللہ کے نام پر، کہ انھیں اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھیں، اور انھیں یہاں پیش کر کے اس موقر ایوان کی شہرت کو داغ دار نہ کریں۔ (۵۰)

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ) نے تمام تقاریر مکمل ہونے کے بعد فرمایا: اب جناب لال میا، برائے مہربانی اس بحث کو سمیٹیں۔

## جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) نے تمام تقاریر پر یوں تبصرہ کیا

جنابِ عالی! میرے دوست جناب شہود الحق نے ایک الگ موقف اختیار کرتے ہوئے میری تقریر کے ایک حصے پر اعتراض اٹھایا ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ میں نے اپنی پوری تقریر میں کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ مجھے یہ حکم کس طریقے سے ملا ہے۔ جنابِ عالی! اگر میرا یہ ایمان نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے، تو مجھے اپنے تئیں مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ میں ایک سچا مسلمان ہونے کا دعوے دار ہوں اور اسلام، قرآن اور حدیث پر یقین رکھتا ہوں۔ میں اپنے دوست سے درخواست کرتا ہوں کہ قرآنِ مجید اور حدیث شریف کے مطالعے کی تھوڑی سی زحمت کریں اور مجھے یقین ہے کہ انہیں وہاں یہ بات مل جائے گی کہ وحی کے علاوہ اور ذرائع بھی ہیں۔ جنابِ عالی! مجھے مزید کچھ نہیں کہنا ہے نہ کچھ اضافہ کرنا ہے۔

### جناب ای ایچ جعفر کا ملاحظہ

جنابِ عالی! کیا معزز رکن کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ نہیں کیا؟ فطری سی بات ہے، ہم نے کیا ہے۔

جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا): میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔

## عزت مآب جناب فضل الرحمن (وزیر تعلیم، تجارت اور اقتصادی امور) کے ملاحظات

جنابِ عالی! حکومت اس قرارداد کے مقاصد کے ساتھ ہر طرح سے ہمدردی رکھتی ہے۔ پاکستان کا وجود اسلامی اصولوں پر مبنی طریقِ زندگی کے لیے قائم ہے۔ ایسی تحقیقات کرنا ہماری بنیادی ضرورت ہے جن کے نتیجے میں یہ واضح ہو سکے کہ ان اصولوں کو، جو ایک مرتبہ انسانی علم و ثقافت اور اسلامی طرزِ زندگی کے حق میں عظیم کردار ادا کر چکے ہیں، اگر آج بھی دنیا اپنا لے تو، وہ پوری نسل انسانی کے امن و امان اور فلاح و بہبود کی ضمانت دے سکتے

50– Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

ہیں۔ اگر ایوان یہ قرار داد پاس کرلیتا ہے تو حکومت اپنے زیر غور دیگر تمام منصوبوں کے ساتھ ساتھ اس پر بھی کما حقہ توجہ دے گی۔ جنابِ عالی! میرا کچھ مقررین کی طرف سے پیش کیے گئے ملاحظات کا جواب دینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، کیوں کہ وہ زیر غور قرار داد کے موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

جنابِ چیئر مین (سید غلام بھیک نیرنگ): اصل میں تو معزز پیش کنندہ وہ ترمیم قبول کر چکے ہیں جو جناب عبد الحامد نے پیش کی اور اب میں اسے باقاعدہ ایوان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ترمیم یہ ہے کہ قرارداد کی آٹھویں سطر میں۔۔۔۔[۵۱]

شری دھرندراناتھ دتَّہ (مشرقی بنگال: عمومی): جنابِ عالی ! معزز رکن جناب گورمانی کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔

جنابِ چیئر مین (سید غلام بھیک نیرنگ): ٹھیک ہے۔ عزت مآب جناب گورمانی!

## عزت مآب جناب مشتاق احمد گورمانی(وزیر داخلہ ، ریاست ہا و سرحدی علاقہ جات) کا تجزیاتی تبصرہ

جنابِ چیئر مین، جنابِ عالی! مجھے یقین ہے کہ اس ایوان کا ہر رکن پیش کنندہ کا شکریہ ادا کرنے میں میرا ساتھ دے گا۔ انھوں نے اپنی قرار داد میں حوالہ دے کر ہمیں ہماری ایک اہم ذمے داری یاد دلائی ہے۔ اس طرح کی یاد دہانیاں، میں انھیں اس طرح لیتا ہوں کہ، سڑک پر لگی اشاروں کی تختیوں کی طرح ہوتے ہیں جو ہمیں سیدھے راستے پر سفر جاری رکھنے میں مدد دیتے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹک جانے سے ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ اس قرار داد پر میرا کوئی لمبی تقریر کرنے کا ارادہ نہیں تھا، کیوں کہ میں اس بات سے پوری طرح مطمئن ہوں کہ جو تجویز ایوان میں زیر غور ہے اس کی تائید میں دو رائے نہیں ہو سکتیں، بلکہ بعض تقاریر سننے کے بعد، خصوصاً جو معزز رکن میرے بالکل مقابل بیٹھے ہیں ان کا خطاب سننے کے بعد، مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے بھی کچھ باتیں کرنی چاہییں، کیوں کہ لگتا ہے بنیادی تصورات کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جنابِ عالی! میں یہ بات بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام محض، اپنے لفظ کے تنگ مفہوم میں، ایک دین نہیں ہے، جیسا کہ آج کل عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اسلام ایک طرزِ زندگی ہے اور یہ انسانی فکر و عمل کی اللہ تعالیٰ کے ناقابل تغیر احکام کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے سے کم یا زیادہ کچھ نہیں۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کوئی شخص اتفاقاً اس کا پیروکار بن گیا ہے یا پیدائشی طور پر

---

51– Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

اس کا پیروکار ہے۔ وہ کسی انسانی گروہ کے ساتھ یا جغرافیائی حدود کے ساتھ، یا کسی نسل کے ساتھ یا کسی زبان کے ساتھ خاص نہیں۔ وہ مکمل طور پر خود اختیار کیا جانے والا دین ہے اور وہ پوری انسانیت کے لیے طرزِ حیات ہے۔ وہ سب کے لیے امید کا ایک پیغام ہے۔ اس کا مقصد انسانی عظمت کا علم بلند کرنا اور انسان کو وہ آزادی دلوانا ہے جو اس کا پیدائشی حق ہے سوچ کی آزادی اور آزادی سے سوچنے کی عادت۔ اسلام اس پر یقین رکھتا ہے اور اس کی بنیاد ہی ایمان پر ہے۔ وہ انسانی معاشرے سے باہر رہ کر اس پر اپنا حکم مسلط کرنے سے اجتناب کرتا ہے، وہ زبردستی کا قائل بھی نہیں، وہ خوش دِلی سے ماننے کا داعی ہے تاکہ انسانی اعمال فطرت کے ساتھ یوں ہم آہنگ ہوں کہ معاشرے کی بساط کو مربوط رکھنے کے لیے کسی بیرونی دباؤ کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔ یہی وہ طرزِ حیات ہے جسے لے کر اسلام آیا ہے اور ابھی تک میں نے یہ دیکھنا ہے کہ کیا کوئی ذی شعور انسان ایسے طرزِ حیات کی ترویج واشاعت سے اختلاف رکھ سکتا ہے یا ایسا طرزِ زندگی لوگوں کے علم میں لانے کا انتظام کرنے اور ایسے اقدامات کرنے پر کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے جن کی مدد سے ایک مثال قائم کر کے یہ دیکھا جاسکے کہ جنگوں سے اٹی پھٹی اس دنیا میں کوئی ایسا طرزِ زندگی بھی ہے جو نسل انسانی کی دوبارہ شیرازہ بندی کر سکتا ہے اور جو تعمیر وترقی کے بام عروج پر پہنچنے میں ان کی مدد کر سکتا ہے، جہاں ممکنہ طور پر کبھی انسانیت پہنچ سکتی ہے۔ جنابِ عالی! اسلام کا مطلب پاپائیت نہیں ہے۔ اسلام میں پاپائیت ہے ہی نہیں اور میں آپ سے عرض کروں کہ اسلام میں پادری کا منصب بھی نہیں ہے۔ اسلام ہر انسان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خود اسلام کے بارے میں غور وفکر کرے۔ وہ تمام انسانوں پر یہ ذمے داری عائد کرتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو علمی استعداد دی ہے اس کی نشو ونما کریں تاکہ آزاد انسانوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں، آزاد انسانوں کی طرح سوچ سکیں اور پھر اپنے فکری نتائج اور اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ابدی قوانین کے ساتھ ہم آہنگ کر کے بیرونی دباؤ کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ ہے اصل مقصد۔ بے یقینی کی یہ تمام کیفیت جس کا آج ہم شکار ہیں فہم وفراست کی کمی کا نتیجہ ہے۔ یہ سب ذہنی انتشار کا نتیجہ ہے۔ یہاں یہ کہنا درست ہے کہ پچھلے چار سالوں میں ہم جو کچھ کرتے رہے ہیں، وہ یہی کچھ ہے۔ یہ بات بھی یہاں بے موقع نہیں کہ اب تک دستوری اصولوں کے سوال پر ہی اختلاف پایا جاتا ہے؛ مستقبل میں کیے جانے والے کاموں کا نقشہ کیا ہو، اس پر بھی اختلاف پایا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں، مگر کیا ہم میں سے کسی صاحب نے یہ زحمت فرمائی ہے یا اس کی پروا بھی کی ہے کہ اس معاملے کی گہرائی میں جائے اور یہ تلاش کرلائے کہ اس اختلاف کے اسباب کیا ہیں اور آج کی دنیا میں رونما ہونے والے اختلاف کے

اسباب کیا ہیں؟ یقین کی کمی؛ ہم نہیں جانتے کہ وہ اصول کیا ہیں جن پر اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔ ہم جذبات کی رو میں بہہ رہے ہیں۔

اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ ان ابدی اصولوں کا علم بردار ہے جو ناقابل تغیر ہیں۔ اب انسانی زندگی کے ہر مرحلے پر ان اصولوں کی تعبیر تشریح ہونی ہے اور یہ تعبیر و تشریح وقت کے ساتھ ساتھ چلنے والی ہوگی۔ یہ ضرورت مسلسل تحقیق کا تقاضا کرتی ہے؛ یہ انسانی معاشرے کے جدید رجحانات اور جدید ضروریات کے قدم بقدم چلنے کا تقاضا کرتی ہے، تاکہ ہم ان ناقابل تغیر و تبدل اصولوں کی تعبیر و تشریح، سمجھ داری سے اور عملی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کر سکیں اور اپنی زندگیوں کو ان اصولوں کی مطابقت میں تبدیل کر کے ان سے ہم آہنگ کر سکیں۔ یہ ہے وہ مقصود جو ہم "اسلامی ریاست" سے مراد لیتے ہیں، اور یہی ہے وہ مطلب ہے جو ہم "اسلامی معاشرہ" بول کر مراد لیتے ہیں؛ کیوں کہ اگر ایسا ہو تاکہ ہم اسلامی اصول نافذ کرنے کا بھی سوچ رہے ہوں اور ان اصولوں کی تفاصیل بھی جامد ہوں (یعنی ان کی تعبیر و تشریح وقت اور زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نہ ہو سکتی ہو کہ وہ نشو و نما کرتے اور آئے روز تبدیل ہوتے انسانی معاشرے کی ضروریات کے مطابق، جو ایک کے بعد دوسری ارتقائی منازل طے کر رہا ہے، اس کے قدم بقدم نہ چل سکتی ہو)؛ تو پھر ہمارے اس دعویٰ کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم صرف اسی صورت میں اپنے دعوے کا جواز پیش کر سکتے ہیں جب ہم سمجھ داری سے ان اصولوں کی تعبیر و تشریح کر سکیں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے کہ وہ اصول کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔[۵۲] آپ کی ضروریات تبدیل ہوتی رہتی ہیں، آپ کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں، مگر ان اصولوں کی تعبیر و تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ آپ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو؛ ان کی مدد سے آپ اپنے موجودہ معمولات اور لائحۂ عمل کے اندر رہ سکتے ہیں-خواہ آپ کی ہستی مسلسل نشو و نما پاتی رہے؛ اس نقشِ حیات کے اندر رہتے ہوئے بھی آپ کے پاس آزادی کی کافی گنجائش موجود رہتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کو ان اصولوں کی تعبیر و تشریح سمجھ داری سے کرنا ہوگی۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک اسلامی ریاست چاہتے ہیں، تو ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم قرونِ وسطیٰ والی ریاست چاہتے ہیں۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر مرحلے میں ترقی پسند رہا ہے اور تاریخ کے تمام مراحل میں وہ ایک ترقی پسندانہ کردار ادا کرتا رہا ہے، یہاں تک کہ ابتدائی زمانے میں، پھر قرونِ وسطیٰ میں، اسلام

---

۵۲- غالباً اشارہ ان ارشاداتِ باری تعالیٰ کی طرف ہے: لا تبدیل لکلمات اللہ... ولن تجد لسنة الله تبديلا، ولن تجد لسنة الله تحويلا...وغیرہ۔

ہی تھا جو ترقی پسندی کا داعی رہا، وہ اسلام ہی تھا جس نے سائنسی تحقیق کے میدان میں دنیا کی قیادت کی، وہ اسلام ہی تھا جس نے ترقی کی طرف بڑھتے ہوئے دنیا کی قیادت کی اور انسانیت کے تیز رفتار ارتقا کے لیے سہولت فراہم کی۔ اسی طرح، آج بھی اسلام وہی ترقی پسندانہ کردار ادا کر سکتا ہے، کیوں کہ، اس سارے منظر نامے میں جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ، یہاں جدت پسندی کے دعوے دار موجود ہیں، جو کہتے ہیں کہ وہ ترقی پسند ہیں، انھوں نے نئے انکشافات کیے ہیں، انھوں نے نئی تحقیقات کی ہیں، مگر ان انکشافات کا نتیجہ کیا نکلا؟ اس پوری ترقی پسندی کا نتیجہ کیا ہوا؟ ہم نے اس سے صرف ایک چیز سیکھی ہے کہ اپنی پہچان کو دھماکے سے اڑا دینا، اپنی تہذیب کو تباہ کرنا اور اپنی شخصیت کو ملیامیٹ کر دینا۔ یہی وہ درس ہے جو تہذیب جدید نے نسل انسانی کو دیا ہے اور یہ، میں عرض کرتا ہوں، کہ بالواسطہ قانونِ فطرت سے متصادم ہے، وہ کہ جو زندگی کی بقا چاہتا ہے، زندگی کی حفاظت کا داعی ہے اور زندگی کا دائرۂ کار وسیع کرنے کا علم بردار ہے۔ اور، آج تصادم کے یہ مظاہر ہمیں کیوں نظر آتے ہیں؟ اس لیے کہ یہ نئے افکار، جن کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ترقی پسندانہ افکار ہیں، وہ قوانینِ فطرت سے متصادم ہیں اور کسی بھی شخص کی تسلی کے لیے تاریخ کی یہ شہادت کافی ہے کہ جب بھی انسانی اعمال اور انسانی افکار قوانین فطرت سے تنازع اختیار کر لیتے ہیں تو وہ تباہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے آپ کو ان قوانینِ فطرت کے ساتھ اچھی طرح ہم آہنگ کر لیتے ہیں، تو انھیں قوت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ ہوائی جہاز کا عقبی پَر اسے قوت بھی دیتا ہے اور اس کی رفتار تیز کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ اس قسم کی زندگی ہے جسے ہم اپنے عاجزانہ طریقے سے، اپنی تمام حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے اور پاکستان کی تمام تر مشکلات کے باوجود، بتدریج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے، تحقیق کی ضرورت ہے، سنجیدہ سوچ بچار کی ضرورت ہے ہماری قرار داد مقاصد کی تعبیر و تشریح کی ضرورت ہے، اس نعرے کی تعبیر و تشریح ایک ترقی پسندانہ اور بامقصد طریقے سے کرنے کی ضرورت ہے جو ہمیں قائد نے دیا؛ یقین، اتحاد اور نظم۔ ہمیں نعرے لگانا بند کرنا چاہیے، جذباتی انداز سے سوچنا ختم کرنا چاہیے اور بامقصد انداز میں سوچنا شروع کرنا چاہیے، تاکہ ہم لوگوں کو مطمئن کر سکیں اور ان تمام چیزوں کا مطلب ان کے لیے قابل فہم بنا سکیں۔ ایسا صرف واضح فہم سے ہی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اپنی زندگیاں ان اصولوں سے ہم آہنگ کر لیں جن کے بارے میں نظریۂ پاکستان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کی بنیاد ہیں۔ اس کے لیے علمیت کی ضرورت ہے، محنت کی ضرورت ہے اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ہمیں لازماً اس کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ آج مایوسی کا عَلم کیوں ہے، اس کی وجہ یہ ہے، اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ، ہم کافی......... نہیں کر سکے۔

سردار شوکت حیات خان: کچھ بھی نہیں کر سکے۔

عزت مآب جناب مشتاق احمد گورمانی: .........اور درست خطوط پر سنجیدہ غور و فکر کی حوصلہ افزائی کرنا ہو گی۔ مگر مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے، جنابِ عالی! بات یہ نہیں ہے کہ ہم نے اس سمت میں کچھ بھی نہیں کیا۔ ہم نے کچھ تو کیا ہے: ہو سکتا ہے وہ کافی نہ ہو اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کر رہا کہ ہم نے سب کچھ کر دیا ہے، میں یہ دعویٰ بھی نہیں کر رہا کہ ہم نے کافی کچھ کر دیا ہے، مگر ہم نے اپنے فرائض اور اپنی ذمے داریوں کے اس پہلو کو نظر انداز بھی نہیں کیا، اس اہم پہلو کو؛ اس سلسلے میں تحقیقاتی کام کی ایک انتہائی عاجزانہ اور چھوٹی سی ابتدا ''ادارہ ثقافتِ اسلامیہ'' کی بنیاد رکھ کر کر دی گئی ہے۔ (۵۳) اس ادارے کا مقصد اسلام کا ایک وسیع، ترقی پسند اور منطقی منظر پیش کرنا ہے، جس سے موجودہ مسائل کے بارے میں اس کے رویے کی وضاحت ہو سکے اور یہ دکھایا جا سکے کہ ہماری سیاسی، معاشی اور سماجی بساط کی تشکیل نو معاشرے کی مادی خوش حالی اور اس کی فنی استعداد کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر اس کے روحانی اصولوں کے مطابق کی جا سکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت یہ ادارہ اب تک متعدد کتابیں اور رسالے وغیرہ شائع کر چکا ہے، جن کی تصنیف و تالیف کا فریضہ ممتاز اہل علم نے سر انجام دیا ہے اور ان میں اسلام کے جدید دور کے مسائل کے ضمن میں نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ، جیسے کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، ایک انتہائی عاجزانہ اور چھوٹی سی ابتدا ہے۔ اس میں ہر ممکن وسیع بنیادوں پر، ایسے لوگوں کو سہولیات مہیا کرنے کی گنجائش موجود ہے، جو آزادی سے سوچتے ہوں، اور جنھیں یہ احساس ہو کہ تصور پاکستان کی بنیادوں پر اس معاشرے کی تعمیر کے بارے میں سوچنا اور اس میں اپنا حصہ ڈالنا ان کی ذمے داری ہے۔ یہ ہر شہری کا فرض ہے اور ہمیں آزاد سوچ کو فعال بنانا ہی پڑے گا۔ ہمیں سہولیات اور کتب خانے اور کتب مہیا کرنا ہوں گی اور اس کے ساتھ ساتھ ان سرگرمیوں کو آپس میں مربوط بنانا ہو گا، تاکہ ہم ایسی تحقیق اور ایسی فکر کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنا سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قوم بننے کے لیے ایسا کرنا بہر حال ضروری ہے۔ مزید یہ کہ تعلق انسانی کے بارے

---

۵۳- ۱۹۵۰ء میں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ قائم ہوا تو ۱۵؍ جون ۱۹۵۱ء کو مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری اس سے منسلک ہو گئے۔ رشید اختر ندوی (۱۹۱۳ء - ۱۹۹۲ء) ادارہ ثقافت اسلامیہ میں کام کرتے تھے اور انھوں نے ہی مئی ۱۹۵۱ء میں مولانا حنیف ندوی کو اس ادارے میں کام کرنے کے لیے راضی کیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی (۱۰؍ جون ۱۹۰۸ - ۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء) تاحیات ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے وابستہ رہے اور قرآن و حدیث اور فلسفۂ اسلامی پر گراں قدر کتابیں لکھیں۔ مظہر الدین صدیقی (ولادت: ۱۹۱۴ء-) نے چھ سال تک ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور سے وابستہ رہ کر تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ ۱۵؍ مئی ۱۹۵۱ء کو مولانا محمد حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے تین سو روپے ماہوار تنخواہ پر منسلک ہو گئے اور ان کے صرف ایک ماہ بعد ۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو مولانا سید جعفر شاہ پھلواری بھی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے منسلک ہو گئے۔

میں ہمارے تصورات قومیت کے ان جغرافیائی حدود میں مقید تصورات سے بہت بڑے ہیں جو اب تک جدید دنیا کی منزل مقصود بن پائے ہیں۔ہم ایک بہت بڑے معاشرے پر یقین رکھتے ہیں۔وہ معاشرہ پوری نسل انسانی ہے۔اس کی کوئی جغرافیائی حدود نہیں ہیں۔ ہم ایک عالمی معاشرے پر یقین رکھتے ہیں۔ اب جنابِ عالی! واحد عملی راستہ مشترکہ فکر ٹھہرا۔صرف مشترکہ غور و فکر ہی ہے جس کے ذریعے آپ اپنے تصور پر مبنی معاشرہ تعمیر کرسکتے ہیں، کیوں کہ اسلام کے مطابق انسانوں کے باہمی تعلق کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ بنیاد دلی رضامندی اور یقین ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ انسانی مسائل کے بارے میں مشترکہ عقیدے اور مشترکہ نقطۂ نظر سے عبارت ہے۔یہ مقصد صرف مشترکہ غور وفکر سے حاصل ہوسکتا ہے اور ایسی رضاے باہمی سے، جس سے ہم مشترکہ عمل کا نظام قائم کرسکیں، باہمی تنازعات ختم کرسکیں اور دنیا کو ایک ساتھ لے کر چل سکیں۔ہم ان تمام خوبیوں کا حصول یقینی بناسکتے ہیں؛ دنیا کا امن وامان، محتاجی سے تحفظ اور خوف سے تحفظ؛ ہمارا معاشرہ ایسی رضاے باہمی پر کھڑا ہو جس کا مصدر وماخذ عقیدہ ہو۔یہ اسی وقت ہوسکے گا جب ہمارے اعمال ایسے ہوں گے جن میں ہمارے موجودہ تنازعات کو ختم کرنے کی طاقت موجود ہوگی۔ پھر اس مشترکہ فکر کو ہر ممکن وسیع پیمانے پر منظم ومربوط کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر ہماری اپنی عملی حدود وقیود اور مشکلات ہیں، اور ہمیں کوئی ایسا کام کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جس کا حصول عملاً ممکن نہ ہو۔ جب تک ہم اپنی پوری کوشش کرتے رہیں گے، درست خطوط پر چلتے رہیں گے، آسودگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے بیٹھے نہیں رہیں گے اور اپنے اہم فرائض کو ذہن میں تازہ رکھیں گے، تو جنابِ عالی! میں سمجھتا ہوں کہ بالآخر سب کچھ درست ہوجائے گا۔ میں ایک بار پھر اس قرار داد کے پیش کنندہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ ہماری ہم دردیاں ان کے ساتھ ہیں اور ہم زیرِ غور قرار داد کے مقصد کو عملی شکل میں منتقل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔[۵۴]

## جناب لال میا کی قرار داد اور ترمیم کی منظوری

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ): سوال یہ ہے کہ: "قرار داد کی آٹھویں سطر سے "اسلامی نقطۂ نظر سے" کے الفاظ حذف کردیے جائیں۔"

قرار داد منظور کرلی گئی۔

جنابِ چیئرمین (سید غلام بھیک نیرنگ): سوال یہ ہے کہ:

54– Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

"اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ایک مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، جس کا نام ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ہو، کراچی کے وفاقی علاقے میں قائم کیا جائے، جس کی مختلف ذیلی شاخیں اور شعبے ہوں، جہاں انسانی علم و عمل کے شعبوں - سماجی، معاشی، تاریخی، تعلیمی، ثقافتی، دستوری اور عدالتی وغیرہ - میں تحقیقات کی جائیں، اور اسلام پر مبنی مختلف موضوعات پر اعلیٰ معیار کا لٹریچر تیار کیا جائے۔"

قرارداد منظور کر لی گئی۔

جنابِ چیئرمین: ایوان کی کارروائی ۱۴/ اپریل ۱۹۵۲ء، ۱۰ بجے صبح تک برخاست کیا جاتا ہے۔[۵۵]

## دوسری قرارداد کے بعد بھی ادارے کے قیام میں تاخیر اور دستوریہ کے تجویز کردہ ادارے

اس قرارداد اور ان مفصل تقاریر کے باوجود ادارہ فوراً قائم نہ ہو سکا۔ مقننہ کی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ دستوریہ کی کارروائیاں چل رہی تھیں۔ اس میں بھی اس کے قریب قریب مقاصد کے اداروں کے قیام کی تجاویز پیش ہوتی رہیں۔ چناں چہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ ۲۲/ دسمبر ۱۹۵۲ء کو مجلس دستور ساز میں پیش کی گئی۔ اس میں ایک ادارہ اسلامی تعلیمات وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نام سے قائم کرنے کی تجویز کے ساتھ ساتھ قرار دیا گیا کہ حکومتی سرگرمیوں کے تمام شعبوں میں ایسے اقدامات، بالخصوص ذیل میں دیے گئے اقدامات اٹھانے چاہییں جن سے مسلمان اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے قابل ہو سکیں، جیسے ایسی سہولیات مہیا کرنا جن سے وہ سمجھ سکیں کہ قرآن وسنت کے مطابق زندگی کا مطلب کیا ہے، قرآن مجید کی تعلیم مسلمانوں کے لیے لازمی کرنا، شراب نوشی، جوے بازی اور عصمت فروشی کو ممنوع قرار دینا، سود کے خاتمے کی ہر ممکن کوشش کرنا، اِسلامی اَخلاقی اَقدار کی ترویج، نیز زکاۃ، اوقاف اور مساجد کا مناسب نظام قائم کرنا ذکر کیا گیا۔[۵۶] اسی رپورٹ میں قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی روکنے کا طریقِ کار کے عنوان کے تحت پانچ سال کی مدت کے لیے ایک ایسا بورڈ تشکیل دینے کی تجویز دی گئی جس کے ارکان کی تعداد اسلامی قانون سے بخوبی واقف پانچ لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔ اسی طرح کے پانچ رکنی بورڈ صوبائی سطح پر قائم کرنے کی تجویز بھی دی گئی۔ بنیادی اصولوں کی تیسری رپورٹ میں "قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی روکنے کا طریقِ کار" کے عنوان

---

55– Constituent Assembly; Legislature, Wednesday, the 9 April 1952, 252.

56– Safdar Mahmood, Dr., Constitutional Foundations of Pakistan, 84- 91.

کے تحت اس کام کے لیے سپریم کورٹ کا فل بینچ قائم کرنے کی تجویز دی گئی جس میں ججز کی تعداد پانچ سے کم نہ ہو۔ اسی رپورٹ میں اسی عنوان کے تحت پچیس سال کے بعد ایک مالی امور اور مالیاتی معیارات کا کمیشن تشکیل دینے کی ضرورت بیان کی گئی۔ اور اسی رپورٹ میں اسلام کی تعلیمات لوگوں کے علم میں لانے کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایک ادارہ قائم کرنے کی تجویز دی گئی جس کے لیے ایک خصوصی ٹیکس جاری کرنے کی تجویز دی گئی۔ (۵۷)

## ۴۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے بجٹ کی تخصیص۔ مارچ ۱۹۵۴ء

۲۴؍ مارچ ۱۹۵۴ء کی قومی اسمبلی کی بحث بابت مرکزی بجٹ فہرست مطالبات (The Central Budget- List of Demands) کے دوران مشرقی بنگال کے معزز رکن مجلس دستور ساز جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) نے صدر مجلس کو یاد دلایا کہ دو سال قبل ایوان میں "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کے قیام کی قرارداد پاس ہوئی تھی جس کے الفاظ یہ تھے:

> That this Assembly is of opinion that a Central Institute to be named as the Institute of Islamic Research be set up forthwith in the Federal Area of Karachi with various branches and departments where researches can be carried out in the various fields of human knowledge and activity, social, economic, historical, educational, cultural, constitutional, juristic, etc., and high class literature on various subjects related to, and having bearing on, Islam be produced.

(اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ایک مرکزی ادارہ جس کا نام "ادارہ برائے اسلامی تحقیقات" ہو، کراچی کے وفاقی علاقے میں قائم کیا جائے جس کی مختلف ذیلی شاخیں اور شعبے ہوں جہاں سماجی، معاشی، تاریخی، تعلیمی، ثقافتی، دستوری اور فقہی وغیرہ علم انسانی کے میدانوں میں تحقیقات بروئے کار لائی جائیں اور اسلام سے متعلق اعلیٰ درجے کا لٹریچر تخلیق کیا جائے۔)

انھوں نے فوری طور پر کراچی میں مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کا اور اس کے لیے موجودہ مالی سال کے بجٹ میں دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) روپے مختص کرنے کا مطالبہ کیا۔ (۵۸) اسی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے

---

57– Basic Principles Committee (As Adopted By The Constituent Assembly of Pakistan on the 21st September, 1954,1-6.

58– The National Assembly: 25 March 1954, The Central Budget-List of Demands, 557.

وزیر مالیات جناب محمد علی نے جناب ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) کے شکوے اور مطالبے کا جواب دیتے ہوئے اتنے عرصے تک اس قرار داد کو عملی شکل دینے میں جو مالی اور معاشی مشکلات تھیں ان کا ذکر کیا اور فوری طور پر اس کے قیام کے لیے ۵/ لاکھ اور اسے چلانے کے لیے وقتی طور پر ۳/ لاکھ ۱۸ ہزار کی جاری گرانٹ کا اعلان کیا، نیز ادارہ قائم کرنے کے لیے جو خاکہ پہلے سے تیار کیا گیا تھا اسے عملی جامہ پہنانے کا وعدہ کیا۔[۵۹]

## جناب لال میا کی دوبارہ تقریر اور پھر ادارہ قائم کرنے کا مطالبہ

۲۵/ مارچ ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز میں مرکزی بجٹ کی فہرست مطالبات پر بحث ہوئی۔ بحث کے دوران جب معزز رکن اسمبلی ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) کو گفت گو کا موقع ملا تو انھوں نے ایک بار پھر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے بارے میں پاس شدہ سابقہ قرارداد یاد دلائی اور اس پر مفصل گفت گو کی۔[۶۰] گفت گو کا اردو ترجمہ درجِ ذیل ہے:

جنابِ صدر (عزت مآب جناب تمیز الدین خان) کی زیر صدارت

مرکزی بجٹ-فہرست مطالبات

## ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) (مشرقی بنگال: مسلم)

جنابِ صدر! جنابِ عالی! میں اپنیCut Motion قرار داد پیش نہیں کر رہا ہوں، بلکہ میں عمومی طور پر مطالبے پر بات کروں گا اور خصوصاً اس بات پر کہ حکومت اب تک اس قرار داد کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہی ہے جو اس ایوان نے ایک ادارہ تحقیقاتِ اسلامی قائم کرنے کے بارے میں پاس کی تھی۔ جنابِ عالی! اب دو برس بیت چکے ہیں کہ اس ایوان میں میری طرف سے پیش کی گئی درجِ ذیل قرار داد کو مکمل اتفاقِ رائے سے پاس کیا گیا تھا کہ

> اس اسمبلی کی رائے ہے کہ ایک مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، جس کا نام ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ہو، کراچی کے وفاقی علاقے میں قائم کیا جائے، جس کی مختلف ذیلی شاخیں اور شعبے ہوں، جہاں انسانی علم و عمل کے شعبوں - سماجی، معاشی، تاریخی، تعلیمی، ثقافتی، دستوری اور عدالتی وغیرہ- میں تحقیقات کی جائیں، اور اسلام پر مبنی مختلف موضوعات پر اعلیٰ معیار کا لٹریچر تیار کیا جائے۔

---

59– The National Assembly: 26 March 1954, The Central Budget-List of Demands, 624.

60– The National Assembly: 25 March 1954, The Central Budget-List of Demands, 557- 559.

یہ بات انتہائی تکلیف دہ ہے کہ حکومت بہت آرام سے اس کے بارے میں جو کچھ تھا، سب بھلا بیٹھی ہے اور ان دو برسوں کے دوران اس قرار داد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے رقم مہیا کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، جو کہ ہماری ریاست کے بنیادی عناصر میں سے ہے۔ موجودہ بجٹ بھی گذشتہ سالوں کے بجٹ ہی کی طرح رہا اور فطری بات ہے کہ بہت معقول؛ جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں تحقیق کے متعدد اداروں کے لیے رقوم مختص کی گئی ہیں۔ میں ان میں سے چند ایک کا نام لیتا ہوں جو اب تک ہم نے قائم کیے ہیں: ادارہ تحقیقاتِ عوامی صحت، ادارہ تحقیقاتِ ملیریا، ادارہ تحقیقاتِ جذام، ادارہ تحقیقاتِ پٹسن، ادارہ تحقیقاتِ کپاس، ادارہ جنگلات، ادارہ دریائی تحقیقات، ادارہ تحقیقاتِ ارضیات، ادارہ تحقیقاتِ تعمیرات، ادارہ تحقیقات برائے پالتو جانوراں۔ اب تک اس سلسلے میں جو پیش رفت ہوئی، بہت اچھی ہے اور میری تمنا ہے کہ ہم اس قسم کے اداروں میں کئی گنا اضافہ کر سکیں۔ ہمارے وزیر مالیات کو کھیلوں کا ایک سٹیڈیم قائم کرنے کی فوری ضرورت بھی محسوس ہوئی، جس کے لیے انھوں نے آئندہ بجٹ میں دَس لاکھ روپے کی رقم مختص کر دی ہے۔ اس پر بھی اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ بھی بہت اچھا ہے۔ البتہ ایک چیز جس کے لیے رقم میسر نہیں آسکی وہ ایک ایسے ادارے سے متعلق ہے جس کا مقصد اسلامی اقدار کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر عملی زندگی کے مختلف شعبوں میں لانے کے لیے کام کرنا تھا۔ یہ فروگزاشت ایک حقیقت ہے، حالاں کہ پورے دو سال گزر چکے ہیں جب اس ایوان نے مکمل اتفاق رائے سے ایک ”ادارہ تحقیقاتِ اسلامی“ قائم کرنے کے لیے قرار داد منظور کی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ دستور سازی کے اس انتہائی نازک مرحلے پر ”بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ“ سے جان چھڑانے کی بھی تحریک سر اٹھا رہی ہے اور ہم نے ایک ”لاء کمیشن“ بھی اپنی کتابِ قوانین کی نظر ثانی کر کے انھیں قرآن و سنت کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے عظیم کام کی انجام دہی کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔ مگر اس کمیشن کی ہیئتِ ترکیبی ایسی ہے کہ یہ کبھی مستعدی سے کام نہیں کر سکتا۔ یہ ایسے رجال کار سے مرکب ہے جن میں سے اکثر اس کے علاوہ بڑی بڑی ذمے داریوں کی ادائی میں پہلے سے اس قدر مصروف ہیں کہ مشکل سے سال بھر میں دو یا تین بار، ایک یا دو دِن کا اجلاس کر سکتے ہیں، جس میں وہ تھوڑی بہت بحث کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ میں بڑی توجہ سے ان کی بحوث کے نتائج کا انتظار کرتا رہا ہوں، مگر افسوس کہ میں اس سلسلے میں مایوس ہوا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ عظیم کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کام کو ہمہ وقت توجہ دے سکتے ہوں اور انھیں اس کے لیے ضروری معاون عملہ اور سہولیات مہیا کی گئی ہوں۔ اس طرح ہم اپنی قوم کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور جھوٹی امیدوں اور وعدوں کے ذریعے انھیں دھوکا دیتے رہے ہیں۔ ہماری یہ حکمت عملی تحریک پاکستان اور ہماری ریاستی منزل مقصود کی ناقدری کے مترادف

ہے۔ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ محض پاکستان کا امن وامان، خوش حالی، ترقی، تکامل باہمی اور استحکام ہی نہیں، بلکہ اس کا وجود نظریاتی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ وابستہ ہے جس نے اسے جنم دیا، اور جو اس کی بقا کا واحد ضامن ہے۔ مجھے امید ہے، جنابِ عالی! کہ اس مؤقر ایوان کے ارکان نے پچھلے دنوں خبر پڑھی ہو گی کہ ترکی جیسا ملک بھی ایک "مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کے قیام کو ناگزیر سمجھ رہا ہے، حالاں کہ اس نے تو اپنی قوم سے ایسا کوئی عہد وپیمان بھی نہیں کر رکھا ہے کہ اسلامی اقدار اور اصولوں پر مبنی ایک جامع معاشرتی سیاسی نظام قائم کرنے کے لیے اقدامات کرے گا، جیسے کہ ہم نے اپنی قوم اور کائنات کے خالق وحافظ سبحانہ وتعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے ۔یکم مارچ کے ڈیلی مارننگ نیوز میں جو پریس رپورٹ شائع ہوئی ہے میں اسے لفظ بلفظ پڑھ کر سناتا ہوں:

"Religious Education back in Turkish Schools.
*Istanbul, March 12 (Star).*

Since Turkey adapted 'real democracy' in 1950 the farmer became the important element of this country, for he wields more than 80 per cent of the total vote. Before 1950 although religion was not 'suppressed' the governmental circles showed a great lack of interest in all religious activities and questions. Now the' farmer' who is and always has been inherently religious has moulded a new religious policy for Turkey's new democratic government system. Today religion figures as one of the most important institutions in this country. Religious education is again back in all Turkish schools. But even so the lack of qualified teachers is still an important problem. In this respect the Ministry of Education has taken various constructive steps: 15 *imam* and preacher seminaries have been opened in various parts of the country. Besides this, a theological faculty has been opened in Ankara. Graduates from this faculty become teachers at the *imam* and preacher schools. It has also been decided to open an Islamic Research Institute in Ankara. This, it is believed, will start functioning either late this year or early in 1955. There are now several Turkish students at the Cairo Al-Azhar University's religion faculty. There has been a great controversy in Parliament over these students and whilst one faction insists that education should be free and all should be allowed to study where they desire. There is another faction, even stronger,

which insists that Turkey's future religious leaders should receive their basic education in Turkey. The Ministry of Education backs this latter faction. Turkey, it is pointed out, has for many years been a most important centre of Islamic education. She, therefore, should not seek religious knowledge from outside, but should educate her own religious men according to the needs of the country."

ترکی میں دینی تعلیم واپس آتی ہے۔

استنبول، ۱۲/ مارچ (سٹار)

جب سے ترکی نے ۱۹۵۰ء میں (اصل جمہوریت) اختیار کی ہے، اس ملک کے کسانوں پر مشتمل عنصر زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے، کیوں کہ مجموعی ووٹوں میں سے ۸۰ فی صد کسان ہی ڈالتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے قبل بھی اگرچہ مذہب پر پابندی تو نہیں تھی، تاہم حکومتی حلقوں کی ہر قسم کی مذہبی سرگرمیوں اور مسائل میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔ اب 'کسان' جو کہ ہمیشہ سے موروثی طور پر مذہبی رہا ہے اور اب بھی مذہبی ہے، اس نے ترکی کے نئے جمہوری نظامِ حکومت میں ایک نئی مذہبی پالیسی تشکیل دی ہے۔ اب اس ملک میں مذہب ایک انتہائی اہم ریاستی اداروں میں سے شمار ہونے لگا ہے۔ ترکی کے تمام سکولوں میں مذہبی تعلیم واپس لوٹ آئی ہے، مگر اس کے باوجود اہلیت رکھنے والے اساتذہ کی کمی اب بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں وزارت تعلیم نے مختلف تعمیری اقدامات کیے ہیں۔ پندرہ امام خطیب مدرسے، ملک کے مختلف حصوں میں کھول دیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انقرہ میں ایک ٹیکنالوجی کالج کھولا گیا ہے۔ اس کالج سے تعلیم مکمل کرنے والوں کو 'امام خطیب' سکولوں میں مدرس لگایا جاتا ہے۔ انقرہ ہی میں ایک "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کھولنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ، وہ، اس سال کے اواخر میں یا اگلے سال ۱۹۵۵ء کے شروع میں کام شروع کر دے گا۔ اس وقت الازہر یونی ورسٹی، قاہرہ کے شعبۂ دینی تعلیم میں بہت سے ترکی طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ پارلیمنٹ میں یہ طلبہ آج کل گرما گرم بحث کا موضوع ہیں؛ ایک طبقے کی رائے ہے کہ تعلیم میں آزادی ہونی چاہیے اور جو شخص جہاں جا کر تعلیم حاصل کرنا چاہے، اسے آزادی ہونی چاہیے۔ دوسری طرف ایک اور طبقے کی رائے ہے، جو پہلے طبقے سے مضبوط ہے اور وہ یہ کہ ترکی کے مستقبل کے مذہبی رہ نماؤں کی ابتدائی تعلیم ترکی کے اندر ہی ہونی چاہیے۔ وزارت تعلیم اس دوسرے طبقے کی حمایت کرتی ہے ۔ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ، ترکی، برس ہا برس تک اسلامی تعلیم کا اہم ترین مرکز رہا ہے، اس لیے اسے دینی علم باہر سے حاصل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اپنے شہریوں کو اپنی ملکی ضروریات کے مطابق دینی تعلیم خود مہیا کرنی چاہیے۔

**جنابِ عالی! یہ خالص مادی رویہ جو ہماری تمام سر گرمیوں کا لازمی جز بن چکا ہے، ہمارا مدد گار نہیں بنے گا۔ جناب! مجھے اس ایوان کے سامنے پوری تاکید سے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے کہ مکمل طور پر مادی وسائل پر دارومدار رکھنے کا رویہ ہمارے مسائل کا کبھی حل نہیں بن سکے گا۔**

میں امریکی امداد کو خوش آمدید کہتا ہوں، مگر، جنابِ عالی! امریکہ یا روس سے آئی ہوئی مالی امداد، خواہ کتنی ہی مقدار میں کیوں نہ ہو، بلکہ اگر امریکہ اور روس دونوں کی امداد کو ملا بھی دیا جائے، تو وہ ہمارا کچھ بھلا نہیں کر سکے گی، جب تک کہ ہم اپنے آپ کو اپنی قوم کے لیے اور اپنے نظریے کے لیے مخلص ثابت نہیں کریں گے جس نے ہمیں وجود بخشا اور وہی ہماری ریاست کو قائم رکھ سکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے مخلص نہیں ہوں گے جو تمام افراد اور تمام اقوام کی قسمت کا مالک ہے۔ اگر آج ہماری دوغلی پالیسیاں اور اپنے وعدوں سے انحراف معاملات کو موجودہ صورت حال پر لے بھی آئے ہیں، تو ہمارے اندر یہ استعداد نہیں ہے کہ ہم سیدھے راستے پر چلنے کے لیے اپنے اندر عزم پیدا کر سکیں۔ کوئی شخص ہمیں یہ نہیں بتا سکتا کہ ہمارے لیے، اس ملک کے لیے اور لاکھوں مسلمانوں کی منزل مقصود کے لیے مستقبل میں کیا مقدر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نور عطا فرمائے، عقل ورشد سے نوازے، مقصد کے ساتھ خلوص نصیب فرمائے اور جس منزل مقصود کے ہم داعی ہیں اس کے لیے عزم وحوصلہ رکھنے کی توفیق دے۔ اب یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس ایوان نے اب تک جو آدھا دستور تیار کر لیا ہے، اسی کے ساتھ ہی موجودہ سال کے آخر تک وہ برخاست ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے اس سے پہلے ہی فارغ ہو جائے۔ ان حالات میں، کابینہ، خصوصاً مسلم لیگ پارٹی اور عموماً اس ایوان کے ارکان کو ۱۹۵۲ء میں اپنی ہی پاس کی ہوئی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ یہ ایک انتہائی بدقسمتی اور بے عزتی والی بات ہو گی اور اگر ان حالات میں لوگ ہمیں منافق، غیر مخلص اور سیاسی طور پر بے ایمان کہیں گے تو کیا ہم انھیں کوئی الزام دے سکیں گے؟ یقیناً نہیں۔ اس لیے میں حکومت سے پرزور درخواست کرتا ہوں کہ اس قرارداد پر عمل کریں اور کراچی میں ایک ”مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی“ قائم کر دیں اور اسی سال کے بجٹ میں اس مقصد کے لیے کم از کم دس لاکھ روپے کی رقم مہیا کر دیں۔ قبل اس کے کہ میں اپنی گفت گو ختم کروں، جنابِ عالی! میں یہاں قرآنِ مجید کی دو آیات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی آیت سورہ ۱۰، آیت نمبر ۶۷ ہے: منافقین مرد اور عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں۔ وہ برائی کی دعوت دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر رکھتے ہیں (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے)۔ وہ اللہ کو بھول چکے ہیں، اسی لیے اس نے ان کو بھلا دیا ہے، بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔[۶۱] دوسری آیت سورہ ۲۹ کی آیت نمبر ۱۱ ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے ایمان والوں کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ منافقین کو بھی جانتا ہے۔[۶۲] جنابِ عالی! ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی کرسی پر واپس آتا ہوں۔[۶۳]

---

۶۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (القرآن ۹: ۶۷۔)

۶۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ (القرآن ۲۹: ۱۱۔)

63 - Constituent Assembly; Legislature, Thursday, the 25 MArch, 1954, 557-559.

## وزیرِاعظم پاکستان کی طرف سے جناب لال میاں کی تقریر کا جواب اور ادارے کے لیے بجٹ

عمومی بجٹ کی فہرست مطالبات پر بحث کرتے ہوئے اس سے اگلے دِن ۲۶/ مارچ ۱۹۵۴ء کو وزیر اعظم پاکستان / وزیر دفاع پاکستان نے مطالبہ نمبر ۱۲ پر گفت گو کرتے ہوئے معزز ارکان اسمبلی کے مختلف اشکالات کے جوابات دیے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی سے متعلق جناب لال میاں کے شکوے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> My honourable friend Mr. Lal Mian raised the question of Islamic Research Institute. I am in agreement with him-he is not here today-with regard to the need for setting up and establishing an institute but we regret that it has not been possible so long to implement the decision mooted in the resolution which was accepted by this Constituent Assembly. It has not been possible to implement it for financial and economic reasons. Last year our resources were strained to the utmost and although a scheme was ready but it could not be implemented. Now that the financial position has improved and the economic situation of the country has also improved it will be possible for us to go ahead with the implementation of the scheme. A scheme is now ready involving for the present an initial capital outlay of Rs. 5 lakh with recurring annual expenditure of Rs. 3,18,000 and it is proposed to implement the scheme as expeditiously as possible.[64]

میرے معزز دوست جناب لال میاں نے "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ میرا ان کے ساتھ ایک ادارہ قائم کرنے کی ضرورت پر اتفاق ہے۔ آج وہ یہاں نہیں ہیں۔ مگر ہم معذرت خواہ ہیں کہ جو قرارداد مجلس دستور ساز نے پاس کی تھی، اس کے اندر کیے گئے فیصلے کو اب تک عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا۔ اس کا نفاذ مالیاتی اور معاشی اسباب کی وجہ سے ممکن نہیں ہوسکا۔ پچھلے سال ہمارے وسائل انتہائی محدود تھے، اگرچہ ایک لائحۂ عمل تیار تھا، مگر اسے نافذ نہیں کیا جاسکا۔ اب جب کہ مالی حالت کچھ بہتر ہوئی ہے اور ملک کی معاشی صورت حال میں بھی بہتری آئی ہے، تو اب ہمارے لیے اس لائحۂ عمل کے نفاذ کے لیے اقدامات کرنا ممکن ہو جائے گا۔ اب ایک لائحۂ

64 - Constituent Assembly; Legislature, Friday, the 26 March, 1954, 624.

عمل تیار ہے جس کے لیے وقتی طور پر پانچ لاکھ روپے اور سالانہ اخراجات کے لیے تین لاکھ اٹھارہ ہزار روپے مہیا ہیں۔ اب تجویز یہ ہے کہ جس قدر جلدی سے ممکن ہو اس سکیم کو عملی جامہ پہنا دیا جائے۔

## جناب نور احمد کا ملاحظہ اور وزیر داخلہ کا جواب

۱۷/جون ۱۹۵۴ء کو معزز رکن اسمبلی جناب نور احمد نے "پنجاب ڈسٹربینس انکوائری کمیشن" کی تحقیقات کے نتائج کی طرف جناب وزیر داخلہ کی توجہ دلاتے ہوئے یوں اس کی وضاحت چاہی:

(a) Whether his attention has been drawn to the various findings of the Punjab Disturbances Enquiry Commission;

(b) Whether Government propose to take any action on the recommendations for a bold re-orientation of Islam by divesting it of archaic incongruities with a view to regaining its vitality as a world idea; and

(c) if not, the reasons therefor?

(ا) کیا عزت مآب وزیر داخلہ کی توجہ "پنجاب ڈسٹربینس انکوائری کمیشن" کی تحقیقات کے نتائج کی جانب مبذول کرائی گئی ہے؛

(ب) کیا حکومت کمیشن کی اس تجویز پر عمل کرنے کا کوئی اقدام تجویز کر رہی ہے کہ نئے سرے سے اسلام کے بارے میں شعور و آگاہی کا ایک جرأت مندانہ سلسلہ شروع کیا جائے جس سے اس کے بارے میں وہ روایتی تصورات ختم ہو جائیں جو زمانۂ حال میں اس کی تطبیقات کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس شعور و آگاہی کا مقصد ایک عالمی تصور کے طور پر اس کی ناگزیر حیثیت کا دوبارہ حصول ہو؛ اور

(ج) اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں؟

تو اس پر وزیر داخلہ عزت مآب سردار امیر اعظم خان نے یوں وضاحت کی:

The Honourable Sardar Amir Azam Khan: (a) Yes.(b) The Commission has drawn attention to the urgent need for research in Islamic studies with a view to the re-orientation of Islamic thought to meet the presentday requirement of Islamic society. This task is as gigantic as it is important. It deserves the attention of all concerned and especially of Muslim scholars and research workers. It is not a matter only for Government action, although Government can certainly assist by establishing, and encouraging the establishment of well equipped Islamic research

institutes. This aspect would receive attention in consultation with Provincial Governments. (c) Does not arise.[65]

(ا) جی ہاں۔(ب) کمیشن نے مطالعۂ اسلامیات پر تحقیقات کی فوری ضرورت کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جس سے فکر اسلامی کی اسلامی معاشرے کی جدید ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے نئے سرے سے تفہیم و آگہی کا فریضہ سرانجام دیا جاسکے۔ یہ ہدف عظیم بھی ہے اور اہم بھی۔ یہ کام تمام متعلقہ لوگوں کی توجہ کا مستحق ہے، خصوصاً مسلم اہل علم اور محققین کی توجہ کا۔ اس کے لیے محض حکومتی اقدام کافی نہیں، البتہ حکومت بہترین وسائل سے بہرہ ور اسلامی تحقیقاتی اداروں کے قیام اور اس بارے میں حوصلہ افزائی کے ذریعے یقیناً اس کام میں معاون ہو سکتی ہے۔ اس پہلو پر صوبائی حکومتوں سے مشورہ کر کے توجہ دی جائے گی۔(ج) ایسی کوئی بات نہیں۔

## ۵– ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی تشکیل اول، حیثیت اور کارکردگی

ادارے کی تشکیل اول کا اعلامیہ (Notification) تو اب تک ہمیں نہیں مل سکا، البتہ ۲۶/ مارچ ۱۹۵۴ء کے اجلاس کے دوران میں وزیر اعظم پاکستان کے درجِ ذیل بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ کہیں ۱۹۵۴ء میں قائم ہو گیا تھا:

اب جب کہ مالی حالت کچھ بہتر ہوئی ہے اور ملک کی معاشی صورت حال میں بھی بہتری آئی ہے، تو اب ہمارے لیے اس لائحۂ عمل کے نفاذ کے لیے اقدامات کرنا ممکن ہو جائے گا۔ اب ایک لائحۂ عمل تیار ہے جس کے لیے وقتی طور پر پانچ لاکھ روپے اور سالانہ اخراجات کے لیے تین لاکھ اٹھارہ ہزار روپے مہیا ہیں۔ اب تجویز یہ ہے کہ جس قدر جلدی سے ممکن ہو اس سکیم کو عملی جامہ پہنا دیا جائے۔[۶۶]

اس کی تصدیق اس سوال جواب سے بھی ہوتی ہے جو ۲۳/ اگست ۱۹۵۷ء کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں معزز رکن اسمبلی جناب فرید احمد اور وزیر تعلیم کے درمیان ہوا۔ اس گفت گو کا جو حصہ ادارے کی تشکیل اول سے متعلق تھا، اس کا ترجمہ درجِ ذیل ہے:

**جناب فرید احمد:** (ا) کیا وزیر تعلیم یہ بیان کرنا پسند فرمائیں گے کہ کیا ان کے علم میں یہ بات ہے کہ پہلی مجلس دستور ساز (مقننہ) نے ایک ”ادارہ تحقیقاتِ اسلامی“ کے قیام کے بارے میں ظہیر الدین چوہدری معظم حسین (لال میا) کی پیش کردہ ایک قرارداد منظور کی تھی، اور اس ادارے کا نام Liaquat Institute of Islamic

---

65 - CA, Legislature, Volume 1, No. 22, 17 June 1957, Punjab Disturbances Enquiry Commission, 1336.

66– Constituant Assembly: 26 March 1954, The Central Budget-List of Demands, 624, National Assembly of Pakistan Debates, 23 August 1957, Starred Questions and answers, 190- 110.

Research (ادارہ لیاقت برائے تحقیقاتِ اسلامیہ) رکھا جانا تھا۔(ب) اگر ایسا ہو چکا ہے تو یہ ادارہ کب اور کہاں قائم کیا گیا تھا؟(ج) اگر ادارہ اب تک قائم نہیں کیا گیا ہے تو، قرارداد کے نفاذ میں اتنے عرصے کی تاخیر کے اسباب کیا ہیں؟(د) کیا حکومت اس ادارے کے قیام کے لیے فوری اقدامات کو زیرِ غور لانے کا ارادہ رکھتی ہے؟

**جناب ظہیر الدین: (ا) سے (ج)** معزز رکن کی توجہ اس جواب کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے جو ان کے نشان دار سوال نمبر ۲۹۸، اجلاس قومی اسمبلی بتاریخ ۲۳ فروری ۱۹۵۷ء کے بارے میں دیا گیا تھا۔ جیسے کہ وہاں وضاحت کر دی گئی تھی، Central Institute of Islamic Research (مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی) کے قیام کی تجویز اب دستور کے دفعہ ۱۹۷ کے تحت دی گئی ہے۔ اور The Nucleus Institute (مرکزی ادارہ) جو مجلس دستور ساز کی قرارداد کے نتیجے میں کراچی میں قائم کیا گیا تھا، اسے اس ادارے میں ضم کر دیا جائے گا جس کے قیام کی تجویز دستور کے مذکورہ دفعہ میں دی گئی ہے۔ مجوزہ ادارے کی عارضی مجلس انتظامیہ کے لیے نام تجویز کرنے کے بارے میں صوبائی حکومتوں اور جامعات سے مشاورت مکمل کر لی گئی ہے۔ اور امید ہے کہ یہ ادارہ اسی سال کے دوران میں کام شروع کر دے گا۔

## ادارے کے قیام کی تاریخ

جناب فرید احمد: کیا جناب وزیر تعلیم یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ "مرکزی ادارہ" کراچی میں کب قائم کیا گیا تھا؟

جناب ظہیر الدین (وزیر تعلیم): وہ تو ۱۹۵۴ء میں ہی قائم کر دیا گیا تھا۔ اس سے قبل اس کا قیام عمل میں نہیں لایا جاسکا تھا، کیوں کہ اس کام کی ذمے داری اسمبلی کی تحلیل کے بعد وزارت داخلہ کو دی گئی تھی، مگر چوں کہ مالی مسائل کی وجہ سے اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا تھا، اس لیے یہ کام وزارتِ تعلیم نے ۱۹۵۴ء کے شروع میں اپنے ذمے لے لیا اور اس کے بعد ہم نے یہ ادارہ قائم بھی کیا اور اس میں افسران کا تقرر بھی کیا۔ البتہ اس کی کارکردگی ذرا سست روی کا شکار تھی۔ اسی اثنا میں اسمبلی کی تحلیل کا واقعہ پیش آگیا، جس سے اس کام میں بھی تعطل آگیا۔ اب جب دستور پاس ہو چکا ہے تو ہم نے اس کا کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ شروع کر دیا ہے۔ اس کے لیے تین لاکھ پانچ ہزار روپے کی رقم مختص کی گئی تھی اور ہم نے امیدواروں کے انتخاب کے سلسلے میں کافی زیادہ کام کر لیا ہے۔

## تشکیل اول میں ادارے کی کارکردگی

جناب فرید احمد کا دوسرا سوال اس ادارے کی کارکردگی کے بارے میں تھا، چناں چہ انھوں نے پوچھا:
کیا اس ادارے نے کچھ کام کیا ہے؟

**جناب ظہیر الدین:** کام ہوا ہے۔ ایک افسر کو مشرق وسطیٰ کے ممالک سے کتابیں منتخب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ کتابیں پہنچ چکی ہیں، البتہ ہندوستانی حکومت کے ساتھ کچھ مسئلہ تھا، اس کے ساتھ مذاکرات کے بعد وہ کتب ہمیں مل گئی ہیں۔ یہ کتب ہم نے مشرق وسطیٰ کے ممالک سے درآمد کی ہیں اور وہ اب کراچی میں استعمال ہو رہی ہیں۔ ہم تین لاکھ پانچ ہزار روپے کی رقم کے اندر اندر جس قدر کتابیں حاصل کر سکے، کریں گے۔ (۶۷)

## تشکیل اول کے بعد ادارے کی مدت

یہ مرکزی ادارہ غالباً ۱۹۵۴ء سے ۱۰/ مارچ ۱۹۶۰ء تک قائم رہا۔ ۲۷/ فروری ۱۹۵۷ء کو قومی اسمبلی میں اس ادارے کے بارے میں جو بحث ہوئی اس میں ۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۷ء ادارے کے تین سالوں کے بجٹ، اس کے رفقائے کار اور کارکردگی کی تفصیل دی گئی ہے۔ سوالات معزز رکن اسمبلی مولانا عبد الرشید ترکابا غش نے کیے اور جوابات وزیر تعلیم کی طرف سے معزز رکن اسمبلی سردار امیر اعظم خان نے دیے۔ اس بحث کا اردو ترجمہ درجِ ذیل ہے:

۴۶۰۔ مولانا عبد الرشید ترا کا با غش: (ا) کیا وزیر تعلیم یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ سن ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء میں سے ہر سال ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے کتنی رقم کی منظوری دی گئی؟ (ب) کیا وہ ان اخراجات کی تفصیل اس ایوان میں معزز ارکان کے سامنے رکھنا پسند فرمائیں گے جو ۱۹۵۵ اور ۱۹۵۶ء میں اس ادارے نے الگ الگ کیے؟ (ج) کیا یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومت نے اس ادارے کا ایک ڈائریکٹر مقرر کیا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو، وہ کون شخصیت ہے اور کیا ان کے پاس اسلامی تحقیق کا کچھ فنی علم بھی ہے؟ (د) اگر (ج) کا جواب ہاں میں ہے، تو اب تک انھوں نے جو کام کیا ہے اس کی تفصیل کیا ہے؟ اور اگر اب تک انھوں نے کوئی کام نہیں کیا تو اس کی وجہ کیا ہے؟ (ھ) کیا یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈائریکٹر صاحب کسی تعلیمی ادارے میں بھی کام کر رہے ہیں؟ (و) اگر (ھ) کا

---

67– National Assembly of Pakistan Debates, 23 August 1957, Starred Questions and answers, 190- 110.

جواب ہاں میں ہے تو کیا ادارے کے مفاد میں ان کی جگہ کوئی اور ڈائریکٹر مقرر کرنے کی تجویز حکومت کے زیر غور ہے ؟اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

سردار امیر اعظم خان (وزیر تعلیم کی نمائندگی کرتے ہوئے): (ا) اور (ب): وزارت تعلیم کے تحت کام کرنے والے اس مرکزی ادارے کے اب تک سال بسال اخراجات کا ایک تفصیلی نقشہ ایوان میں معزز ارکان کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔(ج) ابھی تک اور کسی ڈائریکٹر کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔اس وقت وزارت تعلیم کے ماتحت اس مرکزی ادارے میں صرف ایک اعزازی افسر انچارج ہے۔ان کے کوائف ایوان میں پیش کیے گئے نقشے میں تفصیل سے ذکر کر دیے گئے ہیں۔(د)،(ھ) اور (و) سوال پیدا ہی نہیں ہوتے۔

## پہلے مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، زیر انتظام وزارت تعلیم کا عملہ اور ان کا مشاہرہ

| شمار | عملہ | تعداد | مشاہرہ | | | وضاحت |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | | | روپیہ | آنہ | پیسہ | |
| ۱ | پروفیسر اے اے میمن - اعزازی افسر انچارج | ایک | ۳۰۰ | - | - | |
| ۲ | اسسٹنٹ | ایک | ۶۰ | - | - | تقرر ۲۲/اگست ۱۹۵۵ء سے جزوقتی |
| ۳ | اکاؤنٹنٹ | ایک | ۵۰ | - | - | تقرر ۲۲ /اگست ۱۹۵۵ء سے جزوقتی |
| ۴ | چپراسی | ایک | | | | تقرر یکم مئی ۱۹۵۵ء |

## ادارے کا تین سالہ بجٹ اور اخراجات

## (۵۵- ۱۹۵۴ء)

| شمار | نوعیت اخراجات | سال بھر کا خرچ | | | وضاحت |
|---|---|---|---|---|---|
| | | روپیہ | آنہ | پیسہ | |
| ۱ | تنخواہ اور الاؤنس، افسر | ۷۲۴۶ | ۸ | ۰ | |
| ۲ | عملہ | - | - | - | اس مالی سال میں ادارے میں کوئی معاون عملہ نہیں تھا |
| ۳ | کتابیں اور ہندوستان کے سفر کے اخراجات | ۷۷۵۳ | ۸ | ۰ | اس سال کل ۱۵۰۰۰ روپے گرانٹ منظور ہوئی تھی |
| | کل اخراجات | ۱۵۰۰۰ | - | - | پندرہ ہزار روپے |

## ۱۹۵۵-۵۶ء

| شمار | نوعیت اخراجات | سال بھر کا خرچ | | | وضاحت |
|---|---|---|---|---|---|
| | | روپیہ | آنہ | پیسہ | |
| ۱ | تنخواہ اور الاؤنس، افسر | ۱۵۱۰۹ | ۱ | ۰ | اس مالی سال میں ۳۰۰۰۰ روپے گرانٹ منظور ہوئی تھی |
| ۲ | عملہ | ۳۴۱۴ | ۷ | ۲ | |
| ۳ | کتابیں | ۹۹۱ | ۵ | ۰ | - |
| ۴ | سٹیشنری | ۱۸ | ۱۴ | ۰ | - |
| ۵ | ٹیلی فون کا کرایہ اور سیکورٹی ڈیپازٹ | ۲۵۶ | ۵ | ۰ | - |
| ۶ | اتفاقیہ اخراجات | ۲۰ | ۰ | ۰ | - |

## ۱۹۵۶-۵۷ء

| شمار | نوعیت اخراجات | سال بھر کا خرچ | | | وضاحت |
|---|---|---|---|---|---|
| | | روپیہ | آنہ | پیسہ | |
| ۱ | تنخواہ اور الاؤنس، افسر | ۴۲۶۵ | ۱۴ | ۰ | اس سال کے دوران جنوری تا مارچ ۱۹۵۶ء کا اعزازیہ ادا کیا گیا |
| ۲ | عملہ | ۱۸۷۰ | ۰ | ۰ | - |
| ۳ | سٹیشنری | ۲ | ۱۲ | ۰ | - |
| ۴ | کتابیں | ۲۳۰ | ۵ | ۰ | - |
| ۵ | ٹیلی فون کا کرایہ | ۲۹۳ | ۴ | ۰ | - |
| ۶ | اتفاقیہ اخراجات مع ڈاک ٹکٹ | ۳۲ | ۲ | ۰ | - |

ستمبر تا نومبر ۱۹۵۶ء میں پروفیسر اے اے میمن کو ادارے کے لیے کتابیں خریدنے مشرق وسطیٰ بھیجنے کے اخراجات

| شمار | نوعیت اخراجات | رقم اخراجات | | | وضاحت |
|---|---|---|---|---|---|
| | | روپیہ | آنہ | پیسہ | |
| ۱ | کتابیں | ۱۵۰۰۰ تقریباً | ۰ | ۰ | بلوں کی ادائیگی ابھی باقی ہے |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۲ | سفری اخراجات اور کتابوں کی پیکنگ اور ترسیل | ۵۰۰۰ تقریباً | ۰ | ۰ | بلوں کی ادائیگی ابھی باقی ہے |

## ادارہ تحقیقاتِ اسلامی (نیو کلس انسٹی ٹیوٹ) کے اعزازی افسر انچارج پروفیسر اے اے میمن کے کوائف اور تجربہ

پروفیسر اے اے میمن کا ادارے میں عارضی افسر انچارج کے طور پر تقرر اکتوبر، ۱۹۵۴ء میں کیا گیا تھا۔ اس وقت ان کی تنخواہ ۱۳۵۰ (ایک ہزار تین سو پچاس) روپے ماہانہ تھی اور رائج الوقت الاؤنس اس کے علاوہ تھے۔ اپنے تقرر کے فوراً بعد انھیں ادارے کی لائبریری کے لیے کتابیں خریدنے کی غرض سے ہندوستان بھیج دیا گیا تھا۔ وہ ہندوستان سے مارچ ۱۹۵۵ء میں واپس آئے۔ وہ اسی حیثیت سے دسمبر ۱۹۵۵ء تک کام کرتے رہے۔ کتابیں ہندوستان میں روک لی گئی تھیں اور بالکل ابھی چھوڑی گئی ہیں۔ اب جب نئے دستور میں اسی قسم کا ایک "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی و تعمیر نو" کی دفعات شامل کی گئی ہیں تو اس کے پیش نظر موجودہ مرکزی ادارے (nucleus Institute) کو مزید توسیع دینے کا کام اس وقت تک مؤخر کر دیا گیا ہے، جب تک دستوری تقاضے کے مطابق صدر کی منظوری سے نئے مجوزہ ادارے کی نوعیت کا حتمی فیصلہ نہیں کر لیا جاتا۔ اس عبوری دور میں چوں کہ پروفیسر میمن کے کرنے کا کافی کام نہیں تھا، اس لیے انھیں ۳ جنوری ۱۹۵۶ء سے بطور صدر شعبۂ عربی، کراچی یونی ورسٹی سے منسلک ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ اب ان کا ادارے کے ساتھ تعلق صرف اعزازی افسر انچارج کی حیثیت سے رہ گیا ہے، جس کے لیے انھیں ۳۰۰ روپے ماہانہ اعزازیہ دیا جاتا ہے۔

## تعلیمی و دیگر کوائف

۱. منشی فاضل (آنرز-فارسی) پنجاب یونی ورسٹی لاہور ۱۹۱۱ء

۲. مولوی فاضل (آنرز-عربی) پنجاب یونی ورسٹی لاہور ۱۹۱۳ء

(انھوں نے ان دونوں امتحانوں میں جو ریکارڈ قائم کیا، اب تک اسے کوئی نہیں توڑ سکا)۔

۳. وہ چالیس برس سے عربی کے پروفیسر چلے آرہے ہیں، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

ایڈورڈ کالج پشاور............................................ ۱۹۱۳- ۱۹۲۰ء

اورینٹل کالج لاہور............................................ ۱۹۲۰- ۱۹۲۵ء

علی گڑھ یونی ورسٹی (بحیثیت پروفیسر و صدر شعبۂ عربی) ............۱۹۲۵- ۱۹۵۰ء

وہ عربی کے پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی کام بھی کرواتے رہے ہیں۔ ان کے کچھ طلبہ جنھوں نے ان کی زیر نگرانی تحقیقی کام کیا، وہ اس وقت سیلون، دہلی، مدراس، پٹنہ، الہٰ آباد اور پنجاب یونی ورسٹی میں عربی اور اسلامیات کے شعبوں کے سربراہ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

۴. پورے ہندوستان اور پاکستان میں وہ واحد شخص ہیں جسے مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق کی رکنیت کے اعزاز سے (۱۹۲۸ء میں) اور مجمع اللغۃ العربیۃ مصر کی رکنیت کے اعزاز سے نوازا گیا۔

۵. عربی اور اسلامیات سے متعلقہ موضوعات پر ان کی دو درجن کے قریب تحقیقی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے متعدد کتابیں مصر کی حکومت نے شائع کیں۔ ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں: "ابو العلاء اور ان کا فلسفہ"، "فلسفہ کے موضوع پر ایک عظیم کام"، "کچھ نایاب عربی منتخبات"۔ انھوں نے عربی اور اسلامیات پر تحقیقی کتب کے تعارف پر مشتمل ایک مجموعہ بھی تیار کیا ہے، جسے وہ اشاعت کے لیے ملک شام بھیجنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کی مفصل سیاحت کی ہے اور وہاں کے اداروں اور مکتبات میں تحقیقی کام کیا ہے۔

۶. دنیا بھر میں عربی کے محققین انھیں جانتے ہیں۔ ڈاکٹر ایف فرائنکوف (F. Kraenkow) جو کہ ایک زندہ مستشرق ہیں، انھوں نے برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلے میں کتابوں پر تبصرہ لکھتے ہوئے پروفیسر میمن کے بارے میں یہ تبصرہ کیا ہے: "وہ کہ جس کے عربی شاعری کے بارے میں علم کا مقابلہ دنیا کے کسی زندہ محقق کا علم نہیں کر سکتا"۔ پروفیسر کاہلے (Prof. Kahle) جو کہ مغربی جرمنی کے ممتاز مستشرق ہیں، انھوں نے پروفیسر میمن کی صلاحیتوں کے بارے میں اسی طرح کے تاثرات لکھے ہیں۔

۷. انھیں مرکزی ادارہ تحقیقاتِ اسلامی (nucleus Institute) کا عارضی افسر انچارج پاکستان میں مصر کے سابق سفیر ڈاکٹر عبد الوہاب عزام بیک کی سفارش پر لگایا گیا تھا، جو انھوں نے اس وقت کے وزیر تعلیم، حکومت پاکستان سے کی تھی۔ ان کا تاثر یہ تھا کہ عرب دنیا میں ان صلاحیتوں کا مالک کوئی شخص خال خال ہی ہو گا۔[۶۸]

---

۶۸- مولانا عبد العزیز میمنی راجکوٹی (۱۸۸۸ء- ۱۹۷۸ء) روز اول سے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے افسر انچارج رہے اور بعد میں وہی اس کے ڈائریکٹر بنے۔

اب جیسے کہ دستور میں درج ہے، ۵۸- ۱۹۵۷ء میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس ادارے کی ہیئتِ منتظمہ ہی اس کے عملے اور ڈائریکٹر کا انتخاب کرے گی۔[۶۹]

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی ابتدائی تاریخ اور تشکیل اول پر مبنی یہ مقالہ زیادہ تر مجلس دستور ساز پاکستان کے مباحث کی عبارات اور حوالہ جات پر مشتمل ہے، جو پاکستانی معاشرے کی اسلامی تعمیر نو میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، واللہ اعلم۔

اس مقالے میں معلومات پیش کی گئی معلومات کا قیام پاکستان کی ابتدائی سیاسی، دستوری اور مذہبی تاریخ سے بہت اہم تعلق ہے۔ اس مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کی ابتدائی تجاویز سے لے کر اس کی تشکیل تک کے مختلف مباحث کو سامنے لایا جائے۔ دستور ساز اسمبلی کے مباحث سے یہ پتا چلتا ہے کہ ادارے کے قیام کو صرف ایک سیاسی مطالبے کے طور پر نہیں دیکھا جارہا تھا، بلکہ یہ ایک ایسی قومی اور نظریاتی فکر کی بنیاد تھی جس نے نئے قائم ہونے والے پاکستان کے خدوخال کا نظریاتی اور فکری تعین کرنا تھا۔ ادارے کا قیام پاکستان کی ابتدائی کام یابیوں میں سے ایک کام یابی تھی اور اس کی گواہی بعد کے ادوار میں ادارے کی خدمات سے لی جاسکتی ہے۔ پاکستان معاشرے کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر نو کا کام ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ یہ کام کرنے کے لیے ادارہ تحقیقات اسلامی جیسے اداروں کو تمام وسائل بھی فراہم کرنا ہوں گے، نیز موجودہ پارلیمنٹ کو بھی ان اداروں سے رابطہ رکھنا چاہیے اور ان کی کارکردگی بہتر بنانے میں اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

69– The National Assembly: 27 February 1957, starred Questions and Answers, 1268-1270 .